طلوعِ اسلام

فروری ۱۹۵۱

OBJECTIVES RESOLUTION,
BASIC PRINCIPLES AND
HUMAN RIGHTS IN THE
LIGHT OF THE QURAN.

(PAGES 9—40)

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلّہ

طلوعِ اسلام

کراچی

قیمت فی پرچہ	مرتّب	بدل اشتراک
آٹھ آنے (پاکستانی)	محمد یونس	سالانہ: چھ روپے پاکستانی (نو روپے ہندوستانی)
بارہ آنے (ہندوستانی)		غیر ممالک سے ۱۲ شلنگ

جلد ۴	فروری ۱۹۵۱ء	نمبر ۲

فہرستِ مضامین

لمعات	۳ - ۸
دستورِ پاکستان	۹ - ۴۰
تدوینِ آئین کا مسئلہ (عبداللہ انور بیگ صاحب)	۴۱ - ۵۲
المیزان	۵۳ - ۵۵
نشاناتِ منزل	۵۶ - ۶۸
ایمان کی بات (نظم)	۶۹

پیامِ اقبالؒ

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم
تا کجا در حجرہ می باشی مقیم

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتہ شرعِ مبیں را فاش کن

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرعِ این است و بس

مکتب و ملا سخن ہا ساختند
مومناں این نکتہ را نشناختند

زندہ قومے بود از تاویلِ مُرد
آتشِ او در ضمیرِ او فسرد

صوفیانِ با صفا را دیدہ ام
شیخِ مکتب را نکو سنجیدہ ام

عصرِ من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآں بغیر از خود ندید

ہر یکے دانائے قرآن و خبر
در شریعت کم سواد و کم نظر

عقل و نقل افتادہ در بندِ ہوس
منبرِ شاں منبرِ کاک است و بس

زیں کلیماں نیست امیدِ کشود
آستیں ہائے ید بیضا چہ سود؟

کار را اقوام و ملل ناید درست
از عمل بنما کہ حق در دستِ تست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مکافاتِ عمل کے اٹل قانون کے مطابق بعض قومیں اس طرح زندگی کی حرارتوں سے محروم ہو جاتی ہیں کہ ان کی نبضِ حیات میں پھر کبھی تموّج پیدا نہیں ہوتا۔ وہ لوحِ ہستی سے حرفِ مکرر کی طرح مٹ جاتی ہیں —— کبھی جسمانی طور پر یعنی ان کی نسل ہی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور کبھی انسانی طور پر یعنی ان کے افراد زندہ پھرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کی زندگی حیوانی سطح سے ذرا بھی بلند نہیں ہوتی۔ وہ زندہ اقوام کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے ذرائع اور وسائل سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ دیکھتے ہیں تو انہی کی آنکھوں سے سنتے ہیں تو انہی کے کانوں سے سمجھتے ہیں تو انہی کے وضع کردہ معیاروں کے مطابق اولٰئک کالانعام بل ھم اضل یہی ہیں وہ قومیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے وحرام علی قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون (۲۱/۹۵) جس بستی کو ہم اپنے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق زندگی کی شادابیوں سے محروم کر دیتے ہیں پھر وہ قوتِ حیات سے دوبارہ متمتع نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان قوموں کے برعکس ایسی قومیں بھی ہوتی ہیں جن کا جرم انہیں سزائے موت کا مستوجب نہیں بنا دیتا۔ وہ ذلت اور پستی کے عمیق گڑھوں میں گھر جاتی ہیں، نکبت اور ادبار کی نحوستیں ان پر چھا جاتی ہیں۔ ان کے فکر و عمل کی قوتیں مسلوب ہو جاتی ہیں۔ عام نگاہوں میں وہ اپنے شاندار ماضی کے غم گداز مرثیے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں لیکن اس کے باوجود ان میں زندگی کی تھوڑی سی رمق اور شعلۂ حیات کی خفیف سی تپش ضرور باقی ہوتی ہے۔ ایسی قوموں کو کبھی کبھی موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو جائیں اور ایک مرتبہ پھر اپنی لٹی ہوئی عظمتوں اور چھنی ہوئی ثروتوں کی بازیابی سے دنیا کی ممتاز قوتوں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں کا شمار ان دوسری قسم کی اقوام میں ہے۔ ابھی دس بیس برس اُدھر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان میں دوبارہ زندگی پا لینے کے کوئی امکانات بھی ہوں گے جس طرح چند سال اُدھر یورپ کی سیاسی منڈیوں میں ترکی کی مملکت کے سودے ہو رہے تھے اسی طرح بھارت ورش کی چوپال میں مسلمانوں کے ترکے کا بٹوارہ ہو رہا تھا۔ لیکن اس قوم کو دیکھتے ہی دیکھتے ایک اتنا وسیع و عریض خطہ مل گیا اور اس کے ساتھ ہی اس رقبہ میں اپنی منشا کے مطابق حکومت قائم کرنے کا پروانہ بھی۔ ولکن لتقضی اللہ الارض بعد موتھا۔

پاکستان کے مسلمانوں کو دوبارہ زندگی حاصل کرنے کا صرف ایک موقع ملا ہے۔ ابھی دوبارہ زندگی نہیں ملی۔ اب یہ ان کی اپنی کوششوں پر موقوف ہے کہ یہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر زندگی کی نعمتوں سے دوبارہ ہمکنار ہو جائیں یا اپنی تساہل انگیزیوں اور ہوس رانیوں سے اس نایاب موقع کو ضائع کر کے ان قوموں میں جا ملیں جن کے متعلق محکمہ قضا و قدر کا حتمی فیصلہ ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتیں۔

غور کیجئے کہ پاکستان کا مسلمان اس وقت کس نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ان کا کاروانِ حیات شاہراہِ زندگی کے کس دوراہے پر کھڑا ہے

ان کے سامنے زندگی اور موت کا کیسا اہم سوال ہے۔ ان کے مستقبل کا فیصلہ اس امر پر موقوف ہے کہ یہ اپنے لئے کس قسم کا دستور حیات تجویز کرتے ہیں۔ اسلئے کہ دستور حیات کا انتخاب درحقیقت کسی قوم کے ارادوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ ایک دستور حیات وہ تھا جو انھیں ابدی حقیقتوں کی شکل میں دیا گیا اور جس پر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی پاکباز جماعت نے عمل کر کے دنیا کے سامنے زندگی کا صحیح معیار پیش کر دیا۔ دوسرا دستور حیات وہ تھا جسے یہودیوں کے صوفیوں، عیسائیت کی خانقاہوں اور مجوسیوں کے آتشکدوں کے اقنوم ثلاثہ نے مرتب کیا اور ملوکیت، ملائیت اور پیر پرستی کے نگاہ فریب پردوں میں چھپا کر مسلمانوں کے قلب و دماغ پر مسلط کر دیا۔ یہ وہ دستور حیات ہے جو قرن اولیٰ کے بعد سے اس وقت تک جسد ملت سے زندگی کی حرارتوں کو سلب کرنے کا موجب بنا رہا ہے اور جسے رجعت پسند عناصر مذہب کے مقدس لباس میں پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان کا مسلمان اس دستور کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنانا چاہتا ہے جسے محمد رسول اللہ والذین معہ نے تیار کیا تھا اور اس سے شھداء علی الناس (تمام نوع انسانی کے اعمال کے نگران) کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے تھے۔ یا اس دستور کو اختیار کرنا چاہتا ہے جو عجمی سازشوں کا وضع کردہ، ان کے عہد ملوکیت کی یادگار اور رجعت پسند عناصر کی خوئے مردہ پرستی کی تسکین کا موجب ہے اور جس نے اس قوم کو زندگی اور اس کی حرارتوں سے اس طرح محروم کر رکھا ہے کانہ لم یکن شیئاً مذکورا۔

یہ سوال بڑا صاف اور نکھرا ہوا ہے، اور اسی کے جواب پر پاکستان کے مسلمانوں کے مستقبل کا دارومدار ہے۔ اگر انھوں نے اس دستور کو اپنا ضابطہ حیات تجویز کر لیا جس کی بنیاد قرآن کی ابدی صداقتوں پر ہے تو انھیں ان کی چھنی ہوئی عظمتیں اور لٹی ہوئی ثروتیں پھر سے مل جائیں گی۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ اقوام عالم کی امامت کے بھی شایان شان قرار پا جائیں۔ لیکن اگر انھوں نے اس آئین کو اپنا دستور زندگی بنا لیا جو ملوکیت اور پیشوائیت کے ہاتھوں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، تو یہ بھی اسی قسم کی قوم بن کے رہ جائیں گی، جیسے افغانستان، ایران، عراق، عرب، شام وغیرہ علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کی قومیں ہیں کہ جو اپنی روٹی تک کیلئے غیروں کی بھیک کے محتاج ہیں۔ فقدان حمیت کی بات اور ہے ورنہ ایسی زندگی سے تو موت ہزار درجے بہتر ہوتی ہے۔ کتنی بڑی خوش قسمتی ہے اس قوم کی کہ اسے یہ موقع مل رہا ہے کہ یہ اپنے لئے دستور حیات آپ تجویز کر لیں۔ لیکن کتنی بڑی بدبختی ہوگی اس کی، اگر اس نے اپنے لئے وہ دستور منتخب کر لیا جس میں ملوکیت اور پیشوائیت کی انسانیت کش لعنتیں موجود ہیں۔ یہ ہماری انتہائی بدقسمتی تھی کہ عین اس نازک موقعہ پر ہمارے ہاں پیشوائیت کے علم برداروں کا اتنا بڑا جم غفیر اکٹھا ہو گیا جس کے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ انھیں اپنے زندہ رہنے کیلئے لامحالہ ایسے وسائل اختیار کرنے ہیں جو ان کی معاش کے ضامن بن سکیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر پاکستان میں قرآنی نظام قائم ہو گیا تو ان کیلئے اس زندگی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی جس کے بسر کرنے کے عادی چلے آرہے ہیں۔ اس لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اور کریں گے کہ یہاں وہی دستور اختیار کیا جائے جس میں مفاد پرستوں کے حقوق محفوظ ہوں تاکہ ان کے بل بوتے پر پیشوائیت کے قبے قائم رہیں۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حکومت نے اس گروہ عظیم کے معاش کا کوئی انتظام نہ کر دیا، ورنہ وہ خطرہ جس سے پاکستان کے مسلمان اس وقت اس طرح دوچار ہو رہے ہیں بڑی آسانی سے ٹل سکتا تھا۔ ہمارے ملک کا نوے فی صدی یا شاید اس سے بھی زیادہ طبقہ جہلاء کا ہے، اور یہ طبقہ ہمیشہ پیشوائیت کے قبضے میں ہوا کرتا ہے۔ پیشوائیت درحقیقت انسانی شعور کے عہد طفولیت کی یادگار ہے، اور چونکہ جہلا بھی شعوری لحاظ سے عہدِ طفولیت ہی میں ہوتے ہیں، اسلئے پیشوائیت ان کے مزاج کے عین موافق پڑتی ہے۔ جس قوم کے ارباب حل وعقد جوش عمل اور لذت تخلیق سے عاری ہوں، وہ ہمیشہ عوامی جذبات کے سیلاب سے خائف رہتے ہیں۔ پیشوائیت اس کمزور پہلو سے خوب واقف ہوتی ہے اور اس سے بڑے فائدے اٹھاتی ہے۔ یہ تمام کوائف اس قسم کے ہیں جن سے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کا مسلمان شاید زندگی کے اس آخری موقع کو ہاتھ سے گنوا دے گا۔ جن افراد کو قدرت نے انسانی بصیرت سے نوازا اور قلب حساس کی دھڑکنوں سے بہرہ یاب کیا ہے، وہ جب اس متوقع خطرے کا تصور کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ لوگ انھیں متہم کرتے ہیں کہ یہ "علم برداران شریعت حقہ" اور "رہ نوردان منازل صادقہ" (یعنی حضرات علمائے کرام اور پیران عظام) کی مخالفت کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ مخالفت شریعت اور طریقت کی مخالفت نہیں۔ یہ مخالفت درحقیقت ان غلط تصورات زندگی کی ہے جنھیں ان لوگوں نے شریعت اور طریقت کا نام دے رکھا ہے اور جو تصورات ہر زندہ بستی کو قبرستان میں تبدیل کر دینے کے حتمی ذریعے ہیں۔ طلوع اسلام کا شمار اسی قسم کے مخالفین میں سے ہے۔ ذاتی طور پر تو اسے اس گروہ کے کسی فرد سے کوئی عناد نہیں لیکن وہ علی وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہے کہ یہ گروہ نادانستہ ایک غیر اسلامی نظام کو عین شرعی نظام سمجھے بیٹھے ہیں جس کے سائے میں مفاد پرستانہ ادارے پرورش پاتے ہیں اور چونکہ ان حضرات کی معاشی ضروریات کا کوئی اور ذریعہ نہیں، اس لئے انھیں بقا للحیات (Struggle for Existence) کے طبعی تقاضے کے ماتحت اس نظام کی حمایت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ طلوع اسلام کے سامنے ایک طرف ان حضرات کی یہ دشواری ہے اور دوسری طرف پوری کی پوری ملت پاکستان کا مستقبل ـــ صرف اس ملت کا مستقبل ہی نہیں بلکہ اسلام کا ایک زندہ نظام زندگی بن کر فروغ آدمیت کا ذریعہ بننے کا امکان ـــ طلوع اسلام ایک ایسے عظیم الشان اور گراں بہا مقصد کو کسی صورت میں بھی اس گروہ کی اس چھوٹی سی معاشی مشکل پر قربان نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر طلوع اسلام پہلے دن سے پکارتا چلا آ رہا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو وہی اور صرف وہی دستور اختیار کرنا چاہیئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جو آج قرآن کی دفتین میں محفوظ طریقے پر ہمارے پاس موجود ہے۔ اور یہی وہ دستور ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے چھوڑا اور جسے اختیار کرنے کی امت کو تاکید کی۔

ملک کے ارباب نظم ونسق نے دعوت دی کہ لوگ دستوری خاکے مرتب کر کے ان کے پاس بھیجیں۔ قرآنی دعوت کے نقیب ہونے کی جہت سے طلوع اسلام پر لازم آتا تھا کہ وہ ایک ایسا دستوری خاکہ مرتب کرے جو اس کی بصیرت کے مطابق قرآنی اصولوں پر مبنی ہو چنانچہ اس نے ایسا خاکہ مرتب کر کے تاریخ متعینہ سے پہلے پاکستان کی مجلس دستور ساز کے سکرٹری صاحب تک پہنچا دیا ہے۔ یہ خاکہ اشاعت رواں

ہیں آپ کی نظروں سے گزریگا۔ اس میں قرارداد مقاصد، دستور پاکستان کے بنیادی اصول اور بنیادی حقوق کے مسودات شامل ہیں۔ آپ انھیں ایک افسانے کی طرح سرسری طور پر نہ پڑھ جائیے۔ اُن سے آپ کا، آپ کی آنیوالی نسلوں کا، پوری ملت اسلامیہ کا، اور ذرا آگے بڑھئے تو نوعِ انسانی کا مستقبل وابستہ ہے۔ آپ ان مسودات کے ایک ایک لفظ کو جانچئے، بصیرت کے پیمانوں سے ماپئے اور قرآن کی میزان میں تولئے۔ اگر آپ کو کہیں اختلاف ہو تو اس سے ہمیں مطلع کیجئے، اور اگر آپ اس سے متفق ہیں تو حکومت سے تقاضا کیجئے کہ وہ انہی خاکوں کی روشنی میں پاکستان کا دستور مرتب کریں۔ ہمیں احساس ہے کہ عین اس وقت جب قوم کو ان امور پر پوری پوری توجہ دینے کی ضرورت تھی، قوم کا کثیر طبقہ پنجاب کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں مصروف تگ و تاز ہے۔ انھیں فرصت ہی نہیں کہ وہ ان ہنگاموں کو چھوڑ کر ان بنیادی امور پر غور و خوض کر سکیں۔ لیکن ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ وقت نکال کر دستور پاکستان سے متعلق کوششوں پر توجہ دیں کہ اگر دستور ہی غلط خطوط پر مرتب ہو گیا تو ان انتخابات کی کوئی مستقل قیمت نہیں رہے گی۔ یاد رکھئے، پاکستان کا استحکام خود اس کے دستور کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب سلطنتیں آئیڈیالوجی ہی کے مطابق بنیں گی اور آئیڈیالوجی ہی کے مطابق ختم ہوں گی۔ اگر پاکستان نے اپنا دستور اسلام کی محکم آئیڈیالوجی کے مطابق مرتب کر لیا تو یہ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ درخشندہ اور پائندہ بھی۔ اور اگر خدانخواستہ اس کا دستور عاجلانہ مفاد کی مصلحت کوشیوں کے مطابق مرتب ہو گیا تو بین الاقوامی سیاست کا ایک جھکڑ اسے جڑوں سے ہلا دے گا۔

دوسری کہنے کی بات یہ ہے کہ مجلس دستور ساز سے مطالبہ کیجئے کہ انھیں جس قدر دستوری خاکے موصول ہوئے ہیں ان سب کو یکجا شائع کر دیں۔ ہم اس کے متعلق اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور آج اسے اس لئے پھر دہراتے ہیں کہ یہ بڑا اہم سوال ہے۔

اس حد تک ہمارا خطاب عمومی تھا۔ اب ہم خاص طور پر ان احباب کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں جو اپنے آپ کو اقبالی کہتے ہیں۔ ہمارے دور میں اقبال نے یہ تصور دیا کہ اسلام کو ایک زندہ حقیقت بننے کیلئے ایک خطہ زمین کی ضرورت ہے جو قرآنی نظام کی تجربہ گاہ بن سکے۔ اقبالیین سے مقصود وہ احباب ہیں جو اقبال کے اس پیغام سے متاثر ہوئے اور اسی پیغام کی عملی تعبیر میں مسلمانوں کا مستقبل دیکھتے ہیں۔ ہم اپنے ان احباب سے اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کے ذمے صرف اتنا فریضہ رہ گیا ہے کہ سال بھر اقبال سے اپنے ذاتی تعلقات کا چرچا کرتے رہیں اور سال کے بعد اقبال کا "عرس" منا لیا کریں؟ کیا اقبال آپ سے یہی توقع رکھتا تھا؟ کیا اقبال کے پیغام سے متاثر ہونے کا یہی ثبوت ہے؟ کیا آپ کے اقبالی کہلانے کی یہی دلیل ہے؟ کیا اقبال کے تصور کے مطابق ایک خطہ زمین مل جانے کے بعد اقبال کے پیغام سے متاثر ہونے کے مدعیوں پر لازم نہیں آتا کہ وہ اس خطۂ زمین میں اقبال کے تصورات کے مطابق نظام قائم کرنے کیلئے کچھ جدوجہد کریں؟ اقبال کے تصورات کا نظام قرآنی نظام کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا کیا آپ احباب پر یہ لازم نہیں آتا کہ آپ پاکستان کے دستور کو قرآنی خطوط کے مطابق متشکل کرنے کیلئے کچھ عملی کوشش کریں؟ سوچئے کہ آپ نے اس ضمن میں اس وقت تک کیا کیا ہے؟ اور اس کے بعد

سوچئے کہ آپ کو اس ضمن میں کیا کچھ کرنا چاہیے؟ آپ ہی وہ نوجوان تھے جنھیں اقبال اپنے فکری ترکہ کا وارث، اپنے پیغام کا مخاطب، اپنی آرزوؤں کا محور، اپنی تمناؤں کا مرکز اور اپنی "متاعِ فقر" کا امین سمجھتا تھا۔ وہ اپنے نورِ بصیرت کو آپ ہی کے اندر عام کرنا چاہتا تھا۔ آپ ہی کو وہ عقاب اور شاہین کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ آپ ہی سے وہ کہا کرتا تھا کہ "یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ"۔ آپ ہی کی خامی کو پختگی دینے کیلئے اس نے اپنے سینے کی حرارتوں کو وقف کر رکھا تھا۔ آپ ہی سے وہ کہا کرتا تھا،

حلقہ گرد من زنید اے پیکرانِ آب و گل　　آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما

اگر آپ بھی اقبال کے پیغام کو ڈھولکیوں اور سارنگیوں تک ہی محدود رکھے جانے کے قائل ہیں تو خدا کیلئے اقبال سے اپنے تعلقات جانے چھوڑ دیجئے اور اس مردِ مومن کے سالانہ عرس منا کر اس کی روح کو مت اذیت دیجئے۔ اقبال اس مقصد کیلئے نہیں آیا تھا۔ اے کاش وہ اس قوم کی جگہ دنیا کی کسی زندہ قوم میں آیا ہوتا تو دنیا دیکھتی کہ اس کے دعوے کی تعبیر کس طرح ابھر کر سامنے آجاتی کہ

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے!

یہ شکایت نہیں دکھے ہوئے دل کی آہیں ہیں، اور اگر آپ اسے شکایت سمجھیں تو بھی ہم اس شکایت میں حق بجانب ہیں کہ گلہ اپنوں سے ہوتا ہے غیروں سے نہیں۔ اگر آپ اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم آنے والے یومِ اقبال کو قرآنی نظام کے مطالبے کیلئے وقف کر دیجئے، ہر مقام پر فکرِ اقبال کے اس اہم گوشے کو نمایاں کیجئے اور عوامی شعور کو قرآنی نظام سمجھنے کیلئے بیدار کیجئے۔

قارئین طلوعِ اسلام کو معلوم ہے کہ مرکزی حکومت نے اس غرض کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر رکھی ہے کہ وہ تحقیق کے بعد رپورٹ کرے کہ اسلامی نظام میں زکوٰۃ کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔ اس کمیٹی نے مختلف حضرات کے پاس ایک سوالنامہ بھیجا تھا جس کے جوابات آج کل کمیٹی کے زیرِ غور ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے اس سوالنامے کا جو جواب کمیٹی کو بھیجا تھا وہ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ زکوٰۃ کا جو تصور آج کل عام طور پر مروج ہے، وہ قرآنی تصور نہیں ہے۔ قرآن کی رو سے ایک اسلامی حکومت کے تمام محاصل زکوٰۃ کہلاتے ہیں جنھیں ملت کی نشوونما (زکوٰۃ) پر صرف کیا جانا مقصود ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ان جوابات کو شائع نہیں کیا جو انہیں موصول ہوئے حالانکہ ضرورت تھی کہ انھیں شائع کیا جاتا تاکہ اسلامی نظام کے ایک نہایت اہم مسئلہ کے متعلق مختلف مکاتبِ فکر کے خیالات لوگوں کے سامنے آجاتے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے زکوٰۃ کا جو قرآنی تصور محترم پرویز صاحب نے پیش کیا ہے وہ تصور حضرات علمائے کرام کی طرف سے پیش نہیں کیا گیا ہوگا، اس لئے کہ ان حضرات کے تصورات کا سرچشمہ وہ روایات ہیں جو عجمی دماغوں میں مضروب ہوئیں اور جن پر ملوکیت نے اپنا ٹھپہ لگا کر "زرِ خالص" کی حیثیت سے عام کیا۔ یہ کمیٹی اس وقت تک کس نتیجے تک پہنچی ہے؟ اس کا تو ہمیں علم نہیں لیکن اخبارات میں شائع شدہ ایک خبر سے مترشح ہوتا ہے کہ کمیٹی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایک اسلامی سلطنت مسلمانوں سے

جس قدر شکیں بھی وصول کرے وہ مصب زکوٰۃ کہلاتے ہیں۔ اگر یہ خبر درست ہے تو مقام مسرت ہے کہ کمیٹی کے فکر کار رحمان محترم پرویز صاحب کے بیان کردہ تصور کی طرف آیا جس کا سرچشمہ قرآن ہے۔ ہم زکوٰۃ کمیٹی سے درخواست کریں گے کہ وہ موصولہ جوابات کو اپنی رپورٹ کے ساتھ بہت جلد شائع کرے۔

پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پینتیس[۳۵] مولوی صاحبان پر مشتمل ایک کانفرنس نے دستور پاکستان کے بنیادی اصولوں کے متعلق ایک خاکہ مرتب فرمایا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس وقت تک ان کا یہ خاکہ ہمارے سامنے نہیں آیا لیکن اخبارات میں وہ بائیس[۲۲] نکات شائع ہوئے ہیں جو اس خاکے کے عمود ہیں۔ ان میں ایک نکتہ یہ ہے کہ "ملک میں جو اسلامی قوانین نافذ کئے جائیں ان کے اطلاق کیلئے قاضی کا تقرر کیا جائے"۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سامنے قوانین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اسلامی قوانین اور دوسرے غالباً غیر اسلامی۔ ہمارا خیال ہے کہ ان سے مراد "دینی احکام" اور "دنیاوی احکام" ہیں یعنی حکومت اور اس کا صدر دنیاوی احکام نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوگا اور دینی قوانین (جنھیں محولہ صدر نکتہ میں "اسلامی قوانین" کہا گیا ہے) کے اطلاق کیلئے "قاضی" کا تقرر کیا جائے گا۔ یہ وہی ثنویت (Dualism) ہے جو ہندوستان میں قومیت پرست علماء کی طرف سے پیش کی جایا کرتی تھی۔ وہ یہی کہا کرتے تھے کہ مذہب کا دائرہ مسلمانوں کے پرسنل لا تک ہے۔ اس کیلئے مسلمان قاضی مقرر کر دیئے جائیں، باقی امور دنیا سے متعلق ہیں، ان کی ذمہ دار ملک کی حکومت ہوگی۔ ان علماء میں جنھوں نے یہ خاکہ مرتب کیا ہے، ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو مذہب کے متعلق اسی قسم کا تصور رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ "اسلامی قوانین کے اطلاق کیلئے قاضی کے تقرر" کی تجویز انھیں کے ذہن کی تخلیق ہو۔ بہرحال قاضیوں کے تقرر سے ان میں سے اکثر حضرات کے معاش کا مسئلہ تو حل ہو جائے گا جس کے لئے انھیں ان بائیس نکات میں خاص طور پر یہ لکھنا پڑا ہے کہ

جو لوگ خود اپنا رزق حاصل کرنے کے قابل نہیں ان کو روزگار، غذا اور تعلیم دلانے کا حکومت خود انتظام کرے۔

بہرحال ہمیں اس خاکے کا شدت سے انتظار ہے۔ اس لئے کہ اس کے مرتب کرنے والوں میں سُنّی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، علماء دیوبند، مجلس احرار کے نمائندے، امیر جماعت اسلامی، بورڈ آف تعلیمات اسلام کے نمائندے، کچھ پیر صاحبان وغیرہ شامل ہیں۔ ان متضاد عناصر میں ایک ہی وجہ اشتراک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کا دستور کہیں قرآنی خطوط پر تشکل نہ ہو جائے۔ خدا ہمارے اس ظن کو غلط ثابت کرے لیکن اگر یہ صحیح ہے تو اس کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

یہ اتحاد مبارک ہو مومنوں کے لئے
کہ یک زباں ہیں فقیہان شہر میرے خلاف!

باسمہ تعالیٰ

دستورِ پاکستان کے بنیادی اصول

غربیاں را زیرکی سازِ حیات — شرقیاں را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس — کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چو با زیرکی ہمبر شود — نقشبندِ عالمِ دیگر شود
خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیزدہ

پیش کردہ۔ ادارۂ طلوعِ اسلام، کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دستورِ پاکستان کے بنیادی اصول

تمہید

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (۲/۱۱۲)

بات وہ نہیں جو تم لوگ اپنے ذہنوں میں لئے بیٹھے ہو۔ بات یہ ہے کہ جو قوم بھی قانونِ خداوندی کی اتباع کریگی۔ اور ان قوانین کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے (توازن رکھتے ہوئے) عمل پیرا ہوگی۔ تو خدا کا قانون نشوونما، ان کی کوششوں کے نتائج ضرور مرتب کرے گا۔ پھر انھیں نہ تو (بیرونی تضادات سے کوئی) خطرہ ہوگا اور نہ ہی ان کیلئے (اندرونی کشاکش سے) افسردہ خاطر ہونے کا امکان۔

طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت ماہِ نومبر ۱۹۵۰ء میں، پاکستان کی مجلسِ دستور ساز کی منظور کردہ قراردادِ مقاصد، اور اس کی متعین کردہ کمیٹی کی سفارشات دربارہ بنیادی اصولِ دستور اور بنیادی حقوق، پر تنقید، قارئین کی نظروں سے گذر چکی ہے۔ اس کے بعد، حکومتِ پاکستان نے، اُس طبقہ کو جو اس موضوع میں دلچسپی لیتا ہو، دعوت دی کہ وہ دستورِ پاکستان کے بنیادی اصولوں کے متعلق اپنی تجاویز یا مسودات ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء تک مجلسِ دستور ساز کے پاس بھیجیں۔ طلوعِ اسلام کی زیرِ نظر پیشکش اسی دعوت کے جواب میں ہے۔ چونکہ، طلوعِ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے، نہ صرف بنیادی اصول و حقوق کی سفارشات، بلکہ قراردادِ مقاصد بھی اصلاً و کاملاً قرآنی اصولوں کے مطابق نہیں، اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ دستور سے متعلق "بنیادی اصول اور حقوق" کے مسودہ کے ساتھ، خود قراردادِ مقاصد کا جدید مسودہ بھی حکومت کو بھیجا جائے، کیونکہ جب تک بنیاد کی خشتِ اول درست نہیں ہوگی، اس پر قائم کردہ عمارت کبھی درست نہیں ہو سکتی۔

آئندہ صفحات میں جو مسودہ آپ کے سامنے آئیگا اس کے متعلق یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ "دستورِ پاکستان" کا مسودہ نہیں بلکہ ان بنیادی اصولوں کا مسودہ ہے جن کی روشنی میں دستورِ پاکستان کی جزئیات مرتب کی جا سکتی ہیں۔ حکومت نے تفصیلی دستورِ پاکستان کے مسودات طلب نہیں کئے۔ نہ ہی دستور کی تفاصیل، مختلف افراد یا مختصر ادارے مرتب کر سکتے ہیں۔ یہ کام مجلسِ دستور ساز اور ان کے اُن مشیروں کا ہے جو فنِ آئین سازی کے ماہر ہوں۔ لہٰذا پیشِ نظر مسودہ میں تفاصیل تلاش نہ کیجئے گا۔ صرف یہ دیکھئے گا کہ ان میں یہ جو

بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں، وہ قرآن کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ان اصولوں میں چند ایک امور ایسے ہیں جن کی وضاحت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ نکات اُس تنقید میں سامنے آچکے ہیں جو طلوع اسلام کی اشاعت بابت نومبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ اُس تنقید کو ایک نظر پھر دیکھ لیں۔ باقی امور کے سمجھنے میں سطور ذیل کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اسلامی سیاست کا طالب العلم جب اس حقیقت کو دیکھتا ہے کہ باوجودیکہ قرآن کریم نے انسانی زندگی کی بعض جزئیات تک بیان کر دی ہیں تشکیلِ حکومت جیسے اہم مسئلہ میں وہ کچھ زیادہ صراحت سے گفتگو نہیں کرتا، تو وہ قرآن کے اس سکوت یا ایجاز پر متعجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں قرآن کا یہ طرزِ عمل وجہِ استعجاب نہیں ہونا چاہئے۔ اصل یہ ہے کہ دساتیرِ مملکت کے خاص ڈھانچوں اور امورِ نظم و نسق (حکومت) کی خاص شکلوں کو جو اہمیت ہمارے ذہنوں نے دے رکھی ہے، انسانی مسائل کے حل میں ان طرق و اسالیب دستور اور مناہج و مسالکِ حکومت کو وہ اہمیت درحقیقت حاصل نہیں۔ قرآن کا منشا کسی دستور کا خاص ڈھانچہ یا حکومت کی خاص شکل متعین کرنا نہیں۔ قرآن درحقیقت ایک معاشرہ (Social order) کی تشکیل چاہتا ہے جس میں انسان کی فطری صلاحیتیں مکمل طور پر نشوونما پاکر زیادہ سے زیادہ صفاتِ خداوندی سے ہم رنگ (صبغۃ اللہ) ہوتی جائیں۔ اس قسم کے معاشرہ میں حکومت کی کسی خاص شکل (Form of Govt.) کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس میں تمام افرادِ معاشرہ کے سامنے ایک متعین نصب العین (Goal) ہوتا ہے اور ہر فرد کی وہبی اور اکتسابی قوتیں اس نصب العین کے حصول کے لئے وقف ہوتی ہے۔ واحد نصب العین کے حصول کے لئے مشترکہ جدوجہد ہی وہ وجہِ جامعیت ہے جو اسلامی معاشرہ کے افراد کو ایک رشتہ میں منسلک رکھتی ہے۔ اسی سے یہ افراد ایک امت قرار پاتے ہیں اور چونکہ اس امت کے سامنے بھی اجتماعی حیثیت سے وہی نصب العین ہوتا ہے جو انفرادی حیثیت سے افرادِ امت کے پیشِ نظر ہوتا ہے، اس لئے امت ان افراد کی صلاحیتوں کی کامل نشوونما کا ذریعہ بن جاتی ہے اور افرادِ امت کی اجتماعی فلاح و بہبود کا موجب۔ اس طرح ان میں کچھ ایسا درخت اور اس کے اجزا (جڑ۔ تنا۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول۔ پھل) کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ اجزا کی شادابی اور شگفتگی، کُل کی تروتازگی کا موجب ہوتی ہے اور کُل کی سرسبزی اور تناوری، اجزا کی گُل پیرہنی اور لالہ دامنی کا باعث۔ البتہ ان اجزا کی فطری صلاحیتوں میں فرق ضرور ہوتا ہے اور اسی فرق سے تقسیمِ کار کا اصول عمل میں آتا ہے۔ تنے میں نہ پتے لگتے ہیں نہ پھول نہ پھل لیکن تنے کی خشکی، پتے، پھول اور پھل سب کو مرجھا دیتی ہے۔ قرآن وہ معاشرہ پیدا کرتا ہے جس میں اس قسم کا باہمی رابطہ ہوتا ہے۔ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔

جہاں تک اس معاشرہ میں معاملات کے فیصلوں کا تعلق ہے، ہم اُس تنقید میں بتا چکے ہیں (جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) کہ کثرتِ آراء کا وہ اصول جو موجودہ تصورِ جمہوریت کا اصل الاصول ہے، کس طرح بودا اور قرآن کی روح کے خلاف ہے۔ قرآنی جمہوریت، دراصل جمہوریتِ شورائیہ ہے یعنی اس میں افراد مشورہ دیتے ہیں فیصلہ نہیں کرتے۔ امت کا بزرگ ترین فرد (بہترین مردِ مومن) جو امت کا منتخب کردہ

اسلئے ان کا نمائندہ ہوتا ہے، ان مشوروں کی روشنی میں جن نتائج تک پہنچتا ہے وہی امت کے فیصلے کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ امت کا معتمد علیہ حدود اللہ کا پاسبان اور فوز و فلاحِ انسانیت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم آج اس تصور سے اس لئے بدکتے ہیں کہ سیاستِ حاضرہ نے اس اندازِ حکومت کا نام "ڈکٹیٹر شپ" رکھ چھوڑا ہے۔ اور اس کی وجہ ہمارے دور کے ڈکٹیٹروں کی انانیت ہو یا جمہوری حکومتوں کا مصلحت کوشانہ پروپیگنڈا، ڈکٹیٹر کے لفظ سے ہمارا ذہن، غیر شعوری طور پر ہٹلر کو اور چنگیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب کوئی کہتا ہے کہ اسلامی سیاست میں، امت کے فیصلے، امیرِ ملت کے فیصلے ہوتے ہیں، تو ہم فوراً پکار اٹھتے ہیں کہ یہ آمرانہ نظام ہے۔ اس میں فرعونیت اور چنگیزیت کا دیوِ استبداد ناچتا دکھائی دے رہا ہے اسلئے یہ اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نظام جمہوریت کا نظام ہے۔ ایسا کہتے وقت ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ تصور کہ اسلامی نظام، جمہوریت کا نظام ہے، کہیں خود جمہوری حکومتوں کے مصلحت کوشانہ پروپیگنڈا ہی کا تو پیدا کردہ نہیں؟ جہاں تک فرعونیت اور چنگیزیت کا تعلق ہے، ذرا سوچئے کہ اس باب میں دورِ حاضرہ کی جمہوری حکومتیں کسی صورت میں ڈکٹیٹروں سے کم ہیں؟ ہماری ہمسایہ حکومت (بھارت) جمہوری حکومت ہے۔ جو کچھ وہ پاکستان کے ساتھ کر رہی ہے کیا اس میں اور کسی ڈکٹیٹر کی مطلق العنانی میں کوئی فرق ہے؟ انگریز نے جو کچھ مصر اور مسلمانوں کے دیگر ممالک میں کر رکھا ہے۔ امریکہ جو کچھ فلسطین میں کر رہا ہے۔ نہیں! دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ادارہ، یو۔ این۔ او۔ جو کچھ مسئلہ کشمیر میں پاکستان کے ساتھ کر رہا ہے۔ کیا وہ ایک ڈکٹیٹر کی انانیت نہیں؟ کیا آپ ان تمام حکومتوں کو محض اس لئے "خدا کی رحمت" قرار دیں گے کہ ان کا اندازِ حکومت جمہوری ہے؟ یہ محض ان حکومتوں کا پروپیگنڈا ہے جس کی وجہ سے ہم غیر شعوری طور پر ان حکومتوں کے ذبح کئے ہوئے کو "حلال" سمجھتے ہیں اور ڈکٹیٹروں کے ذبح کئے ہوئے کو "جھٹکا"۔ حالانکہ عدل و انصاف جس کے ہاتھوں بھی ذبح ہوں، وہ ملعون ہے خواہ وہ کسی جمہوری نظامِ حکومت کا نمائندہ ہو یا ڈکٹیٹر شپ کا علمبردار۔ لہٰذا یہ تصور غلط ہے کہ جمہوری نظامِ حکومت فی اصلہٖ عدل و انصاف کا نظام ہے اور وہ نظام جس میں آخری فیصلہ فرد کے ہاتھ میں ہو، فی ذاتہٖ ظلم و استبداد کا نظام۔ برۂ معصوم کے حق میں، بھیڑیوں کی اکثریت کا فیصلہ بھی وہی ہوگا جو ایک بھیڑیئے کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے اِس مسئلہ پر غور کرتے وقت کہ اسلام کا نظام جمہوری ہے یا آمری، اپنے دور کے جمہوری اور آمرانہ نظاموں کو ذہن سے نکال دینا چاہئے۔ ان نظاموں کی رو سے دیکھا جائے تو اسلام کا نظام نہ جمہوری ہے نہ آمرانہ۔ قرآن کا رُخ بیشک اسی طرف ہے کہ آخری فیصلہ بزرگ ترینِ امت کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے۔ . . . . . .

. . . . . .

. . . لیکن ذرا یہ بھی تو دیکھئے کہ امت کا یہ بزرگ ترین فرد کن حدود کے اندر گھرا ہوتا ہے۔ قرآن کے اصول غیر متبدل ہیں۔ وہ ان اصولوں میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اسے سب سے پہلے قانون کی اطاعت خود کرنی ہوتی ہے۔ وہ اپنے لئے کوئی الگ قانون نہیں بنا سکتا۔ . . . . . وہ اس خدمت کا

کوئی اجر نہیں طلب کر سکتا۔ وہ اپنی ذات پر، لا یُنفک ضروریات سے زائد کچھ صرف نہیں کر سکتا۔ نجی حیثیت سے قانون کی نگاہ میں اسے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ جو امت اُسے اپنا امیر منتخب کرتی ہے وہی اسے منصبِ امارت سے الگ بھی کر سکتی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر آپ اس سے نہ گھبرائیے کہ ہمارے پیش کردہ خاکہ میں، صدرِ جمہوریہ کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظم و نسق کے صحیح طور پر چلنے کا انداز یہی ہو سکتا ہے۔ سعید حلیم پاشا کے الفاظ میں

> حکومت کے قوی اور کارگر ہونے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ اس کی باگ شخصِ واحد کے ہاتھ میں ہو اور دوسری اتنی ہی ضروری شرط یہ ہے کہ صاحبِ حکومت کو قوم منتخب کرے۔ یہ قوم کا قطعی طور پر مسلّم حق ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ ملک کے نظم و نسق کے ٹھیک ٹھیک کام کرنے کی نگرانی رکھے۔ اور نظم و نسق درست نہیں رہ سکتا جب تک حکومت کی عنان قابل ترین شخص کے ہاتھ میں نہ ہو۔ (خدا کی بادشاہت)

ہمارے خاکہ میں انہی دو اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

دوسرا اہم سوال صدرِ جمہوریہ کے انتخاب کا ہے۔ یہ کہ صدرِ جمہوریہ امت کا منتخب کردہ ہوگا مسلّمہ اصول ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا انتخاب کس طریق سے ہو۔ انتخاب کا ایک طریق براہِ راست ہے۔ یعنی پوری کی پوری قوم آراء شماری کے ذریعے، صدر کا انتخاب کرے۔ اس طریقِ انتخاب کی برائیاں ایسی واضح ہیں کہ ان کے گنانے کی ضرورت نہیں۔ مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کے اراکین کے انتخاب کی حد تک تو ان اسقام و مذموات کو گوارا کیا جا سکتا ہے اسلئے کہ منتخب ہو جانے کے بعد اُن افراد کی حیثیت انفرادی نہیں رہتی، اجتماعیت میں گم ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ شخص جسے تمام امت کا معتمد علیہ بننا ہے، جسے ملت کی نگاہوں میں بلند ترین تعظیم و تکریم کا مستحق قرار پانا ہے۔ جس کے متعلق پوری کی پوری جماعت نے یہ کہنا ہے کہ یہ ہم میں سے بہترین فرد ہے۔ جسے اُس نے دنیا کے سامنے اسلام کا بہترین نمائندہ بنا کر پیش کرنا ہے۔ اگر اُسے انتخابی مہموں کا نشانہ بنا دیا جائے تو اس کے نتائج بالکل واضح ہیں۔ انتخاب میں جب بھی ایک سے زیادہ امیدوار کھڑے ہوں گے تو، اور سب کچھ چھوڑیئے، ہر امیدوار کی حمایت میں ایک پارٹی تو ضرور ہوگی۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دورانِ انتخاب میں، ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف، یا فریقِ مقابل کے امیدوار کے خلاف، ذلیل پروپیگنڈہ پر نہیں اتریگی تو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شکست خوردہ امیدوار اور اس کی پارٹی، پوری دلجمعی سے کامیاب امیدوار کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتی۔ یہ عام انسانی فطرت ہے اور جب تک عام فطرتوں میں خاص طور پر انقلاب واقع نہ ہو جائے اس حقیقت سے کبھی اغماض نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا ملت کے معزز اور محبوب ترین فرد کا انتخاب، بلا مقابلہ ہونا چاہئے۔ اور اس کا وہی طریق بہتر ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے بارے میں تجویز کیا تھا یعنی نمائندگانِ ملت میں سے قابلِ اعتماد افراد پر مشتمل ایک مجلسِ نگران منتخب کر دی جائے اور صدر کے انتخاب کا مسئلہ اس مجلس کے

سپرد کر دیا جائے۔ وہ اپنے سے باہر بہترین فرد کو صدر چن لے۔ صدر کا معزول کر دینا بھی اسی قسم کی مجلس . . . . . .
. . . . کے اختیار میں ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو ایک دفعہ صدر چن لیا جائے وہ جب تک "بہترین مومن (اتقٰکم) کے معیار پر پورا اترے، انتخاب کی تجدید نہ کی جائے۔ لیکن یہ حالات موجودہ بھی بہتر سمجھا گیا ہے کہ جب مجلس مشاورت (پارلیمنٹ) کا نیا انتخاب ہو (جس کی میعاد پانچ سال تجویز کی گئی ہے) تو مجلس نگراں کی بھی تشکیلِ نو ہو جائے اور یہ جدید مجلس نگراں انتخاب صدر کے معاملہ پر از سرِ نو غور کرے۔ چاہے تو سابقہ صدر ہی کو بحال رکھے اور چاہے کسی دوسرے کو صدر چن لے۔

ہمارے نزدیک یہ طریق، قرآن کی روح اور حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں سے قریب تر ہیں ہے۔

ایک اور اہم سوال جس کے متعلق کچھ وضاحت ضروری سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ نظامِ حکومت وحدانی (Unitary) ہونا چاہئے یا وفاقی (Federal)۔ جس شخص نے سرسری طور پر بھی قرآن کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت پر شاہد ہوگا کہ قرآن کا مقصود تمام نوعِ انسانی میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے وہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک معاشرہ پیدا کرتا ہے اور سب سے پہلے اسی معاشرہ میں وحدتِ انسانی کے اس اصول کا تجربہ کرتا ہے۔ وہ اس باب میں ایسا متشدد اور سخت گیر ہے کہ وہ امت میں تفرقہ کو شرک قرار دیتا ہے۔ اس لئے وہ ہر ایسے رجحان کو جس سے وحدتِ امت کو ذرا سا بھی ضعف پہنچنے کا احتمال ہو نہایت سختی سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس جماعت میں ہی وحدت نہ پیدا ہو سکے جس نے اس کے پیغام کا خیر اول بننا ہے تو وحدتِ انسانیت کے بلند اور ہمہ گیر مقصد کو حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس اصل کے پیشِ نظر مسئلہ زیرِ غور کو سامنے لائیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ صوبائی تقسیم نظم و نسق کی سہولت کی غرض سے عمل میں آتی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہی تقسیم ذرا آگے چل کر وہی قومی اور وطنی عصبیت اختیار کر لیتی ہے جسے مٹانے کیلئے اسلام آیا تھا۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ خود حدودِ پاکستان میں، ایک صوبہ کا مسلمان اپنے ہم صوبہ ہندو کو غیر صوبائی مسلمان کے مقابلہ میں زیادہ قریب سمجھتا تھا۔ اور کیا آج بھی یہ حقیقت نہیں کہ ایک صوبہ کا مسلمان دوسرے صوبہ کے مسلمان کے خلاف اس سے بھی زیادہ گہرے جذباتِ منافرت و منافرت رکھتا ہے جو جذبات ایک ہندو، مسلمان کے خلاف رکھتا تھا؟ ان حالات کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک ہر وہ اقدام جو اس غیر اسلامی تفریق و تقسیم کو مٹا کر وحدتِ امت کو تقویت پہنچانے کا موجب ہو، تقاضائے اسلام کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا ہم نے اپنے خاکہ میں وحدانی اندازِ حکومت ہی کو پیش کیا ہے۔ ویسے بھی اب تو خود دنیا اپنے ناکام تجارب کے بعد اس وحدانی انداز کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ اس ضمن میں ہندوستان کی آل پارٹیز کانفرنس ۱۹۲۸ء نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا:

اس مسئلہ کے متعلق ہم برانڈز کی ایک تصنیف کا حوالہ دینا چاہتے ہیں۔ اس مصنف نے اتحادِ جنوبی افریقہ کے ارتقا میں ایک

معتد بحصہ لیا ہے۔ جنوبی افریقہ سے متعلق اپنی کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ "وفاقیت (Federalism) تو اصل میں ایک آخری حربہ اور انسانی کمزوری کی رعایت ہے۔ الیگزینڈر ہملٹن اس کے خطرات سے واقف تھا اور محض اسلئے اس سے متفق ہوا کہ کسی دوسری صورت سے یک جہتی ممکن نہ تھی۔ کینیڈا میں سرجان میکڈانلڈ بہت شد و مد کے ساتھ وحدت قانون سازی (Legislative union) کے حامی تھے۔ لیکن انہیں مجبوراً کوئبک کی انتہائی صوبہ پرستی کے آگے دبنا پڑا۔ آسٹریلیا میں مختلف ریاستوں کی تنگ نظری اور صوبہ پرستی نے حکومت متحدہ پر ایسی حدیں عائد کر دی ہیں جو مسلمہ طور پر ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ وفاقیت کو وہیں قبول کرنا چاہئے جہاں اس سے بہتر کوئی چیز نہ ہو سکے لیکن اس کے نقصانات کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قوت منقسم ہو جائے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اعضائے حکومت میں جلن اور کمزوری پیدا ہوگی۔ اس کا میلان دقیانوسیت کی طرف ہے اور یہ ایک نئے ملک کی ترقی کو محدود کر دیتا ہے۔ . . . . . .

مرکزی حکومت ہی قومی مفاد کی حفاظت کر سکتی ہے، مخالف مطالبات میں ہم آہنگی پیدا کر سکتی ہے اور ایک صوبے اور دوسرے صوبے کے مناقشات کو دور کر سکتی ہے۔[1] (ص ۱۲-۱۳)

ہم سمجھتے ہیں کہ جن حالات سے ہماری نوزائیدہ مملکت دوچار ہے اور جس جغرافیائی بُعد میں پاکستان بٹا پڑا ہے' ان کے پیش نظر اگر ہم نے یہاں وحدانی نظام قائم نہ کیا تو نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ ویسے بھی' جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے' اسلام تو ساری دنیا میں وحدتِ حکومت قائم کرنے کا داعی ہے۔ سو اگر اسلام کی اس نئی تجربہ گاہ سے اس کی ابتدا نہ ہوئی تو ــــ طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں۔

اس کے بعد ایک ایسا سوال سامنے آتا ہے جس کی صراحت میں درحقیقت ایک لفظ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن جس کیلئے بدبختی سے جلدوں پر جلدیں لکھنے کی ضرورت پیدا کی جا رہی ہے اور بلا سمجھے بوجھے پیدا کی جا رہی ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ قرآنی نظام میں وسائل پیداوار امت کی مشترکہ ملکیت میں رہتے ہیں یا افراد کی ملکیت میں۔

اس سوال کے متعلق ایک لفظ بھی لکھنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ جس شخص نے زیادہ نہیں' صرف قرآن کے "افتتاحیہ" (سورۂ فاتحہ) کے پہلے چار لفظ بھی پڑھے ہیں وہ بھی جان سکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا دنیا میں فریضہ کیا ہے اور اس فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے وسائلِ پیداوار کس کی تحویل میں رہنے چاہئیں؟ ہر مسلمان اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا نصب العین یہ ہے کہ وہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ صفاتِ خداوندی کا عکس پیدا کرے۔ اور وہ اس پر بھی ایمان رکھتا ہے کہ قرآن نے سب سے پہلے جس صفتِ خداوندی کا ذکر کیا ہے وہ "رب العالمین" کی صفت ہے۔ (الحمد للہ رب العالمین) یعنی تمام نوعِ انسانی کی ربوبیت (پرورش، نشوونما، ارتقاء)۔

---

[1] جہاں تک ہمیں معلوم ہے حال ہی میں انڈونیشیا نے بھی اپنے ہاں وحدانی انداز حکومت ہی کو ترجیح کیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے ذمہ تمام افراد انسانیہ کی پرورش اور نشوونما کا فریضہ ہوگا اس کے پاس اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ذرائع واسباب بھی ہونے چاہئیں۔ اگر وسائل پیداوار افراد کی ملکیت میں دیدیئے جائیں اور افراد کے اس حقِ ملکیت کو "بنیادی حقوقِ انسانیت" میں سے تسلیم کرلیا جائے تو پھر ملت کے پاس وہ کونسے وسائل وذرائع رہ جائیں گے جن سے وہ اپنے اس اہم اور بنیادی فریضہ کو عدل وانصاف کے ساتھ سرانجام دے سکے گی؟ پیداوار کا بنیادی وسیلہ ارض ہے۔ مصنوعی پیداوار کی بنیاد (Basis) بھی ارض ہی کی پیداوار ہوتی ہے۔ (کپڑا اگرچہ کارخانے کی پیداوار ہوتا ہے لیکن اس کی اساس کپاس پر ہوتی ہے جو ارضی پیداوار ہے)۔ اس لئے قرآن نے تمام پیداوار کی اس اصل واساس کے متعلق کہدیا ہے کہ وہ سواء للسائلین ہے۔ یعنی تمام ضرورتمند انسانوں کیلئے یکساں طور پر کھلی ہوئی۔ اب یہ واضح ہے کہ اس کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وسائل پیداوار ملت کی مشترکہ تحویل میں ہوں اور مملکت اس پیداوار کے ذریعے نوع انسان کی ربوبیت کا انتظام عدل واحسان سے کرے۔

بات بالکل سیدھی اور واضح ہے۔ لیکن جن افراد کے قبضہ میں وسائل پیداوار (زمین، کارخانے وغیرہ) ہیں ان کی مفاد پرستی قرآنی انقلاب کی متحمل کیسے ہوسکتی ہے؟ قرآن کے معاشی نظام کے خلاف ان کے پاس بدقسمتی سے ایک نہایت آسان حربہ ہے۔ یعنی وہ قرآنی دلائل سے تو اس نظام کی تردید کرنہیں سکتے لیکن جھٹ سے یہ کہدیتے ہیں کہ یہ تو روس کی کمیونزم ہے۔ اور چونکہ روس کی کمیونزم، خدا کی ہستی کا انکار کرتی ہے اس لئے ربوبیت عامہ کا نظام جس میں وسائل پیداوار ملت کی مشترکہ ملکیت قرار پاتے ہیں، اسلام کے خلاف ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس دلیل کی معقولیت کو؟ یہ ایسی ہی دلیل ہے جیسے یہ کہا جائے کہ

(۱) ہندوؤں نے اپنے ہاں شراب کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔

(۲) ہندومت بت پرستی سکھاتا ہے۔

(۳) اسلام بت پرستی کے خلاف ہے۔

(۴) لہٰذا امتناعِ شراب کا حکم۔ اسلام کے خلاف ہے۔

اس منطق پر علم وعقل جس قدر ماتم کرے کم ہے۔ اگر اس قسم کے دلائل کو وقیع مان لیا جائے تو پھر تو شاید ہی کوئی اسلامی حکم ایسا باقی رہے جسے مسلمان اپنے ہاں نافذ کرسکیں!

دوسری بدقسمتی یہ ہے کہ ملائیت ہمیشہ مفاد پرستی کا ساتھ دیتی ہے۔ جہاں ملوکیت ہو وہاں ملاازم ملوکیت کے سایہ میں پرورش پاتی ہے اور ملوکیت ملاازم کی دعاؤں کی آڑ میں انسانوں کا خون چوستی ہے۔ جہاں ملوکیت نہ ہو وہاں ملاازم بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کے عطیات کے سہارے جیتی ہے اور ان کے بدلے انہیں جنت میں گھر الاٹ کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ مفاد پرستی کی مذکورہ صدر دلیل کو ملاازم بھی ہوا دے رہی ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسی روایات لارہی ہے جو مسلمانوں کے دورِ شاہنشاہیت میں وضع ہوئیں اور جن کی

روسے وسائلِ پیداوار پر افراد کی ملکیت "بے حد و نہایت" عین اسلام قرار پائی۔ چنانچہ اب اسلام کے اس سیدھے سادے نظامِ ربوبیت کو ان دو محاذوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ ہے وہ پیدا کردہ ضرورت جس کے پیشِ نظر ہم نے لکھا ہے کہ اس نظام کی تائید میں شاید مجلدات تصنیف کرنی پڑیں۔

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اُسے بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے

طلوعِ اسلام میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لئے اس وقت انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ افراد اور ملت کا تعلق قرآن کی رو سے ایک معاہدہ کے مطابق قائم ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے فرد اپنا سب کچھ اس ملت کے ہاتھوں بیچ ڈالتا ہے جو دنیا میں خدا کی صفتِ ربوبیتِ عامہ کی مظہر ہوتی ہے اور ملت اس کے بدلے فرد کی ربوبیت کی کفیل بن جاتی ہے (ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ)۔ ملت، نظامِ ربوبیت کے قیام کے بعد جن جن چیزوں کو ضروری سمجھتی ہے افراد کی تحویل میں رہنے دیتی ہے۔ یہ ہیں فرد کی وہ املاک جن کے متعلق وصیت اور وراثت وغیرہ کے احکام آئے ہیں۔ جب ملت ضروری سمجھے ان چیزوں کو بھی اپنی تحویل میں لے سکتی ہے (یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفو)۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس سے فرد کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ سو پہلے تو یہ دیکھئے کہ کیا اختیارات کی دنیا فقط معاش ہی کی دنیا ہے کہ اس پر پابندیاں لگا دینے سے فرد کے تمام اختیارات سلب ہو جاتے ہیں؟ معاش تو زندگی کے وسیع و عریض دائرہ کا ایک نہایت مختصر سا قطعہ ہے۔ انسانی اختیارات کی دنیا بہت وسیع ہے۔ فرد اس قطعہ کو جس میں تصادمِ مفاد کی بڑی بڑی خاردار جھاڑیاں ہیں، ملت کے سپرد کر کے اور بھی آزاد ہو جاتا ہے تاکہ معاشی تضادات کے کانٹوں سے اپنا دامن چھڑا کر دیگر قطعاتِ حیات میں زیادہ جولانیاں دکھا سکے۔ وہ اپنی معاشی متاع ایک پاسبان کے سپرد کر کے بالکل بےفکر ہو جاتا ہے۔ اسے پھر ان مسائل میں سر کھپانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی جن کے سلجھانے کیلئے دوسرے انسانوں کی تمام توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ الجھنیں سلجھنے کی بجائے پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ان پریشانیوں کو ملت کے سپرد کر کے اطمینان سے دوسری طرف توجہ دے سکتا ہے۔ اس کی عملاً کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا جو غم ملا اُسے غمِ جاناں بنا دیا

ذرا سوچئے کہ انسان معاشی دنیا میں بالآخر چاہتا کیا ہے؟ یہی نا کہ اس کی اپنی تمام ضروریاتِ زندگی نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں اور اس کی اولاد کی پرورش اور کفالت کا ایسا انتظام ہو جائے کہ اس کی بے وقت موت کی صورت میں وہ بھیک نہ مانگتی پھرے۔ اگر کوئی ادارہ ایسا انتظام کر دے اور بایں نمط کہ ایسا تسلی بخش انتظام یہ خود بھی نہ کر سکتا ہو تو پھر سوائے ان لوگوں کے جن کے منہ کو انسان کا خون لگ چکا ہو، شاید ہی کوئی سر پھرا آدمی ایسا ہو جو اپنی الجھنیں اس ادارہ کے سپرد نہ کر دے۔ یہی وہ سودا ہے جسے قرآن نے ایسی تجارت سے تعبیر کیا ہے جس میں کبھی خسارہ ہی نہیں ہوتا۔

اب دوسری طرف دیکھئے۔ جب آپ وسائل پیداوار کو افراد کی ملکیت میں دیتے ہیں تو اس سے ہوتا کیا ہے؟ چند افراد کو تو بلاشبہ آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور کروڑہا بندگانِ خدا بدترین غلامی کے شکنجے میں جکڑے رہتے ہیں! کیا ایسے نظام میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ افراد کو زندگی کے مختلف شعبوں میں اختیارات حاصل ہیں؟ یہ تو وہ نظام ہوتا ہے جس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ـــــ سو دایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات ـــــ لہٰذا اگر اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو چند افراد کے "سلبِ اختیارات" سے کروڑہا افراد کو جو آزادی حاصل ہوتی ہے وہ "خیرِ کثیر" (Greatest Good for the Greatest Number) کے اصول کے مطابق یقیناً اس قابل ہے کہ اسے حاصل کر لیا جائے۔

سب سے آخر یہ دیکھئے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ جو باپ اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پالتا وہ کبھی شریف باپ نہیں کہلا سکتا، تو یہ اس سے بھی صحیح ہے کہ جو خدا اپنی مخلوق کے رزق کا ذمہ نہیں لیتا اسے کبھی حقِ خداوندی حاصل نہیں ہو سکتا؟ قرآن کا خدا اپنی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری لیتا ہے اور اس کی یہ ذمہ داری عملاً اس نظام کی رو سے پوری ہوتی ہے جو اس کے نام سے دنیا میں قائم کیا جاتا ہے۔

مملکتِ پاکستان اسی خدا کے نام سے قائم ہوئی ہے اس لئے اگر یہ افرادِ مملکت کے رزق کی ذمہ داری نہیں لے گی تو اسے خدائے رب العالمین کے نام کے ساتھ نسبت رکھنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور یہ ذمہ داری اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ وسائل پیداوار مملکت کی تحویل میں ہوں۔ ربوبیتِ عامہ قرآنی انقلاب کا نقطۂ اساس ہے اور اگر آج اس کی کوئی جھلک کسی ایسے معاشرہ میں پائی جاتی ہے جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا تو صرف اس بات سے اس کے قرآنی ہونے میں فرق نہیں آجاتا، خواہ مفاد پرست گروہ اور اس کے حامی مُلّا پر یہ کتنا ہی گراں کیوں نہ گذرے۔ ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن۔ اگر حق ان کے خیالات اور خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے تو ارض و سما اور ما بینہما میں ناہمواریاں پیدا ہو جائیں۔

بنیادی اصولِ دستور کے ضمن میں ایک سوال "بنیادی حقوق" کا ہے۔ آج کل دنیا کی مختلف مملکتوں میں یہ دستور سا بن گیا ہے کہ وہ "بنیادی حقوق" کی ایک فہرست دستورِ مملکت کے ساتھ شامل کریں۔ لیکن قرآن جس قسم کے معاشرہ کی تخلیق کرتا ہے اگر آپ اس مسئلہ کو اس کی روشنی میں دیکھیں تو اسلامی دستورِ مملکت میں بنیادی حقوق کی کسی فہرست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اس قراردادِ مقاصد کو دیکھئے جس کا مسودہ ذرا آگے چل کر آتا ہے اور جس کے متعلق ہماری تجویز یہ ہے کہ اسے دستورِ پاکستان میں بطور اصولِ ہدایت (Directive principle) شامل کیا جائے۔ اس قرارداد میں وہ تمام حقوق آگئے ہیں جن کے حصول کے لئے انسان اس بُری طرح ترس رہا ہے۔ اس قرارداد کے بعد دستور میں حقوق کی فہرست کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس بنا پر ہمارے لئے ضروری نہیں تھا کہ ہم اس قسم کی فہرست بھی اپنے خاکہ کے ساتھ شامل کرتے۔ لیکن چونکہ مجلسِ دستور ساز پاکستان کی متعین کردہ کمیٹی نے ان حقوق کے متعلق سفارشات پیش کی تھیں اور ان سفارشات کو مجلسِ دستور ساز نے منظور بھی کر لیا تھا، اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان حقوق

کی جداگانہ فہرست بھی شاملِ مسودہ کردی جائے۔ بایں ہمہ، اس سلسلہ میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ حقوق کے مقابلہ میں افرادِ ملت کے ذمہ کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، بلکہ یوں کہئے کہ ایک فرد ان حقوق کا مستحق ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ ان فرائض کو بجا لے آئے۔ سعید حلیم پاشا کے الفاظ میں:

اصل اور جائز حق ہمیشہ کسی فرض کی بجا آوری سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ صرف فرض کی انجام دہی کا ایک معاوضہ ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ مفروضہ حقوق، غصب و ظلم ہیں۔ (ایضاً)

لہٰذا ہم نے حقوق کی فہرست کے ساتھ بنیادی فرائض کی مختصر سی فہرست بھی شامل کردی ہے۔ جس قدر فرائض کی بجا آوری اسی قدر حقوق کا استحقاق۔ البتہ اس باب میں قرآنی نظام غیر مسلم رعایا کے معاملہ میں ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ ان کے ذمے فرائض کم ہوتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں حقوق زیادہ۔ مثلاً فوجی خدمت سے مستثنیٰ اور جان، مال، آبرو، عصمت، مذہب، معابد وغیرہ کی حفاظت کے حقوق کے مالک۔

اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اسلام کا پیغام کسی خاص قوم یا خاص خطہ ملک کے لئے نہیں۔ اس کا پیغام انسانیت کا پیغام ہے اس لئے دنیا کا ہر انسان اس پیغام کا مخاطب ہے۔ اس کی غایت وحدتِ انسانیت ہے۔ اس لئے اس کا نظام عالمگیر ہے لیکن ہر انقلابی پروگرام کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ایک مخصوص جماعت سے ہو جو اس پیغام کا خمیر بنے۔ قرآن کے انقلابی نظام کے اصول تو عالمگیر ہیں لیکن آغازِ کار کے لئے اس کا عملی پروگرام اس جماعت کے حالات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے جسے وہ السابقون الاولون کہتا ہے۔ ہم نے بنیادی اصولوں کا جو خاکہ مرتب کیا ہے اسے ان عالمگیر اصولوں کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے جن کی وسعت حدود ناآشنا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان بنیادی اصولوں کے ماتحت جو جزئی دستور مدون ہوگا وہ ملتِ پاکستانیہ کے موجودہ احوال و ظروف کے مطابق ہوگا۔ اس مقصد کے لئے دیکھنا یہ ہوگا کہ ان جزئیات کا رُخ اس منزل کی طرف ہو جو ان اصولوں کی غایت ہیں اور جس تک پہنچنا اس نظام کا مقصود ہے۔

اسی اصول سے کہ اس انقلابی نظام کا آغازِ کار ایک خاص جماعت سے ہوگا، ایک اور اہم سوال سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ اس سے دو جماعتیں وجود میں آجاتی ہیں۔ ایک وہ جو اس انقلاب کی آئیڈیالوجی کو تسلیم کرکے اس نظام کے قیام، استحکام اور تعمیم کے لئے سرگرم عمل ہو جاتی ہے اور دوسری جانب وہ جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم نہیں کرتی۔ عام انقلابی جماعتیں اس دوسری جماعت کے درپئے تخریب رہتی ہیں اور جائز و ناجائز ہر طریق سے اسے مٹانے کی فکر کرتی رہتی ہیں۔ یا اس سے اپنی آئیڈیالوجی بجبر منواتی ہیں۔ لیکن اسلامی انقلاب میں اس مخالف جماعت کے ساتھ ہمیشہ عدل و انصاف کیا جاتا ہے اور اسے وہ تمام حقوق دیئے جاتے ہیں جو انسان ہونے کی حیثیت سے

اسے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جو ایک مسلم مملکت میں اہل الذمہ کی حیثیت سے رہتی ہے اور (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) جس کے فرائض کم اور حقوق زیادہ ہوتے ہیں۔ البتہ ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ اس جماعت کو اس آئیڈیالوجی پر مبنی نظام انقلاب میں شریک راز نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا میں جو جماعت بھی آئیڈیالوجی کی بنا پر مرتب ہوگی اس کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہوگا۔ اسے نہ ظلم کہا جا سکتا ہے نہ تعصب۔ اس تخصیص کو قرآن بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ (لا تتخذوا بطانۃ من دونکم ۳/۱۱۸)۔

لہٰذا اسلام کی رو سے دنیا کے تمام انسانوں کی تقسیم انہی دو جماعتوں میں ہوتی ہے۔ ایک وہ جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرے۔ اسے مسلم یا مومن کہا جاتا ہے۔ دوسری وہ جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کرے۔ اسے نہ ماننے والے (کافر) کہا جاتا ہے۔ اس آئیڈیالوجی کو یا تو پورے کا پورا ماننا ہوگا یا رد کر دینا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اس کے بعض اجزاء کو مان کر اور دوسرے اجزاء کو چھوڑ کر مومن کہلا سکیں۔ اب رہے وہ جو اس آئیڈیالوجی کو بتمام و کمال نہیں مانتے۔ سو ان میں سے جو لوگ ایسے کام کریں جو اس آئیڈیالوجی سے مطابقت رکھتے ہوں، مسلم جماعت ان سے اِن کاموں میں تعاون کرے گی۔ لیکن جو پروگرام اس آئیڈیالوجی کے خلاف ہوگا اس سے یہ عدم تعاون کرے گی۔ جو لوگ اس آئیڈیالوجی کو مٹانے کی سوچیں گے وہ اِن کے دشمن ہوں گے اور ان کے مقابلے میں یہ جماعت، اپنی آئیڈیالوجی کے تحفظ کے لئے جان تک بھی دیدیگی۔ یہ ہیں معیار ایک مسلم جماعت کی دوستی اور دشمنی، تعاون اور عدم تعاون، اور صلح اور جنگ کے۔ اس حقیقت کو یہ جماعت نہ کسی سے چھپاتی ہے: اس باب میں کسی کو فریب میں رکھ سکتی ہے۔ نہ اس میں کسی سے رعایت برت سکتی ہے، نہ مداہنت۔ وحدتِ انسانیت اور ربوبیتِ عامہ اس کی زندگی کا مشن ہے اور ساری دنیا اس کے انقلاب کی جولانگاہ۔ دنیا سے انسانی حکمرانیوں کو مٹا کر ان کی جگہ ضابطۂ خداوندی کے فطری اصولوں کے مطابق واحد نظامِ مملکت قائم کرنا اس کا مقصود اور مفاد پرستی کے ہر باطل سسٹم کے استیصال کے بعد رزق کے سرچشموں کو اللہ کے بندوں کیلئے عام کر دینا اس کا نصب العین۔ دنیا کا جو انسان اس مقصد کے حصول میں اس کا ساتھ دیتا ہے وہ اس کا دوست ہے اور جو اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے وہ اس کا دشمن۔ مملکتِ پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اس "پالیسی" کو ساری دنیا کے سامنے واضح کر دے تاکہ اس مملکت کے وجود کا جواز، اس کا نصب العین اور اس کی دوستی اور دشمنی کا معیار، ہر ایک کے سامنے آجائے خواہ وہ حدودِ مملکت کے اندر ہو یا باہر۔ قد تبین الرشد من الغی۔

آخر میں اس امر کا دہرا دینا ضروری ہے کہ ہمارا پیش کردہ مسودہ قرارداد مقاصد، بنیادی اصولِ دستور اور بنیادی حقوق اس امر کی وضاحت کی کوشش ہے کہ اگر کوئی مملکت قرآنی خطوط کے مطابق اپنا دستور وضع کرنا چاہے تو اس کی بنیادیں کن اصولوں پر رکھی جائیں گی۔ جب ہم نے نومبر کی اشاعت میں قرارداد مقاصد کا مسودہ[1] شائع کیا تو بعض گوشوں سے یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں پیش کردہ نظام کی رو سے تمام اختیارات سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں اور اس امر کا قوی احتمال ہے کہ وہ ان اختیارات کا غلط استعمال (Abuse) کریں گے۔ اس صورت میں

---

[1] چونکہ قرارداد مقاصد کو اب بنیادی اصولوں کا جزو بنا دیا گیا ہے اس لئے سابقہ مسودہ قرارداد (شائع شدہ طلوع اسلام بابت نومبر) مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد زیرِ نظر اشاعت میں شائع کیا جاتا ہے۔

قوم مستبد قہرانیت کا شکار ہو جائے گی۔ پیش نظر مسودہ "بنیادی اصولِ دستور" میں جب یہ معترض حضرات دیکھیں گے کہ صدر جمہوریہ کے اختیارات بہت وسیع رکھے گئے ہیں تو وہ فوراً پکار اٹھیں گے کہ لیجئے! اب ساری قوم کے سر پر ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر مسلط کیا جا رہا ہے جو مملکت کے تمام وسائلِ پیداوار کا واحد مالک ہو گا۔

اس قسم کے اعتراضات کے جواب میں ہم پھر وہی کہیں گے جو شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ اسلامی دستور کے اصول و مبادیات بنا دیئے جائیں اور جب ان اصولوں کو سامنے لایا جائے تو ہم اس تصور سے گھبرا جاتے ہیں کہ اگر ایسے وسیع اختیارات اس قسم کے لوگوں کو دیدیئے گئے جن کے ہاتھوں ہم پہلے ہی نالاں ہیں تو قوم کا گلا گھٹ جائے گا۔ اس لئے ہم پکار اٹھتے ہیں کہ نہیں! اس قسم کا دستور کبھی اسلامی نہیں ہو سکتا! غور کیجئے کہ اس منطق میں کس قدر بنیادی کمزوری ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے، جیسا اگر کوئی کہے کہ اسلام میں قرضہ بلا سود دیا جاتا ہے تو اس کے جواب میں کہدیا جائے کہ جب قرضہ بلا سود ہو گا تو اس کی واپسی کی فکر کون کرے گا۔ اس لئے ایسا ناممکن العمل حکم اسلامی نہیں ہو سکتا۔ یہ گھبراہٹ اس اعتبار سے تو بجا ہے کہ اگر موجودہ مسلمان ایسے ہی رہیں جیسے یہ اب ہیں، تو ان میں اسلامی نظام تو ایک طرف کوئی انسانی نظام بھی نہیں چل سکتا۔ لیکن اسلامی نظام میں یہ خاصہ ہے کہ وہ صرف خارجی قوانین ہی میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا بلکہ انسان کی داخلی دنیا میں بھی انقلاب پیدا کر دیتا ہے اور اس سے انسانوں کی سیرت و کردار اس طرح بدل جاتے ہیں کہ وہی اختیارات جو "بچے کے ہاتھ میں چاقو" بن کر دکھائی دیتے ہیں اُس وقت مردِ مجاہد کے ہاتھ میں شمشیرِ براں بن جاتے ہیں جس سے ہر وہ ہاتھ جو مظلوم کی طرف اٹھتا ہے، قلم کر دیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس خوف سے کہ اگر یہ اختیارات موجودہ مسلمانوں کے طبقۂ اعلیٰ کے ہاتھ میں دیدیئے گئے تو وہ ان اختیارات کا غلط استعمال (misuse) کریں گے، اسلامی نظام کو اختیار ہی نہ کریں؟ اگر ہمیں اس نظام کو اختیار کرنا ہو تو اس کی ابتدا کہیں سے کرنی ہی ہو گی۔ اور جب بھی آپ ابتدا کریں گے، یہ خطرہ آپ کے سامنے موجود ہو گا۔ اسلئے اس خطرہ سے ڈر کر اس نظام کی ابتدا کو ملتوی نہیں کرتے رہنا چاہیئے۔ ابتدا میں جو خطرات سامنے آئیں ان کا مقابلہ کیجئے (البتہ اس امر کی کوشش کیجئے کہ وہ خطرات کم از کم ہوں) لیکن اس کے ساتھ ہی نظام کے اس حصہ پر زیادہ سے زیادہ زور دیجئے جو تعلیم و تربیت سے متعلق ہے۔ اس سے ایک پُشت کے بعد ہی ایسے مسلمان پیدا ہو جائیں گے جو قلب و دماغ دونوں کے اعتبار سے مومن ہوں گے۔ پھر وہ خطرات خود بخود ختم ہو جائیں گے جن کا تصور اس وقت آپ کے دل میں گھبراہٹ پیدا کر رہا ہے۔ لیکن اگر یہ تمام کچھ کہہ سُن لینے کے بعد بھی آپ کا خیال ہے کہ اسلامی نظام میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ انسانی سیرت میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کر سکے، تو پھر اس تکلف سے کیا حاصل؟ پھر اسلامی نظام کے خیالِ خام کو چھوڑیئے اور جس طرح باقی دنیا اپنی اپنی مملکتوں کا انتظام کر رہی ہے آپ بھی اسی طرح اپنا دستور بنا لیجئے۔

اور آخری لفظ یہ کہ اگر آپ کی ساری قوم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس پر قوم اعتماد کر سکے تو پھر آزادی کی اس استروں

کی بالا کو اتار پھینکیے۔ اس صورتِ حالات سے تو وہ غلامی اچھی تھی جس میں کم از کم اتنا فریبِ سکون حاصل تھا کہ

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

ان گذارشات کے ساتھ قرار دادِ مقاصد، دستورِ پاکستان کے بنیادی اصول اور بنیادی حقوق کے مسودات پیشِ خدمت ہیں۔ اگر آپ ان میں کوئی چیز ایسی دیکھیں جو آپ کے نزدیک قرآنی تعلیم کے خلاف ہو تو ہمیں اس سے مطلع فرمائیے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ متبادل تجویز بھی لکھئے جو آپ کے نزدیک قرآنی تعلیم کے مطابق ہے۔ اور اگر آپ ان خاکوں سے متفق ہوں تو پھر سوچئے کہ آپ کو کیا کچھ کرنا چاہیئے تاکہ یہ خاکے آپ کی مملکت کے دستور کے بنیادی اصول قرار پا جائیں۔

مجلس دستور ساز سے گذارش ہے کہ وہ بھی ان مسودات پر پوری توجہ دے۔ ان میں بہت سی باتیں بظاہر نئی نئی سی نظر آئیں گی لیکن وہ درحقیقت نئی نہیں ہیں۔ وہ سب قرآن کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں۔ اگر یہ مجلس چاہے تو ہم ان مسودات کی تائید میں قرآنی سندات پیش کرنے کو تیار ہیں۔

اور سب سے آخر ایک گذارش اس بارگاہ میں ہے جو دنیا کی ہر گذارش کا آخری ملجا ہے۔ بچپن میں ایک قصہ پڑھا کرتے تھے کہ کسی "صاحبِ دل" نے ایک بے نماز کو ایک عرصہ کی تلقین کے بعد نماز پڑھنے پر آمادہ کر لیا۔ اسے نماز سکھائی، غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے۔ جائے نماز بچھائی۔ قبلہ رو کھڑا کیا۔ اور اللہ اکبر کہلوا کر سینے پر ہاتھ بندھا دیئے۔ اس کے بعد خود ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے مقلب القلوب! اتنا کچھ میں نے کر دیا ہے۔ میں یہی کچھ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد تو اسے خود سنبھال لے!

ہم بھی اس بارگاہ صمدیت میں، جھکی ہوئی نگاہوں اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم ناتوانوں کے بس میں تھا، ہم نے کر دیا۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جو کچھ ہم نے کیا ہے اگر یہ تیری میزان میں پورا اترتا ہے تو اس کے بعد اس امر کا انتظام تو اپنے دوسرے بندوں کے ہاتھوں خود کر دے کہ اس کوششِ ناتمام کے ذریعے راہ گم کردہ انسانوں کا یہ کارواں اس راہ پر چل نکلے جو تیری بتائی ہوئی راہ ہے اور جو کاروان انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کی واحد اور اقوم راہ ہے۔ باقی رہا ہماری ان حقیر کوششوں کا صلہ۔ سو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب تیرے حضور، تیرا آخری رسولؐ، انسانوں کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (یا اللہ! یہ ہے میری وہ قوم جس نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) تو ہم اس گروہ کے اندر نہ کھڑے ہوں۔ بس اس سے زیادہ اور کوئی آرزو نہیں۔

لُٹا دے دولتِ کونین، اور میرے لئے
بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسودہ قرارداد مقاصد

ہرگاہ کہ

مسلمانوں کی وحدتِ جامعیت اسلام ہے اور یہی وہ تصورِ حیات ہے جس کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ اس مملکت کے باشندے اُس مخصوص تصورِ حیات کے مطابق جس میں اختیارِ حکمرانی کو ایک مقدس امانت قرار دیا گیا ہے، حدودِ اللہ کے اندر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

ہرگاہ کہ

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جسے اَلدّین کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظامِ زندگی کا بنیادی ضابطہ قرآن ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن نے انسانی زندگی کے لئے ایک نصب العین مقرر کر دیا ہے اور وہ حدود متعین کر دی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اختیارات کا استعمال کرے۔

یہ نصب العین اور حدود غیر متبدل ہیں اور انہی کو ابدی صداقتیں کہا جاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا اختیارِ قانون سازی، اِن ابدی صداقتوں کی روشنی میں، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق، جزئیات مرتب کرنے تک محدود ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن کی رُو سے حیات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہی سرچشمہ ان ابدی صداقتوں کا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ سرچشمۂ حیات اور مستقل اقدار کے سرچشمہ کی وحدت کی بنا پر

(i) تمام انسان ایک برادری کے افراد ہیں جو جغرافیائی، نسلی، لسانی، وطنی حدود سے متاثر نہیں ہوتی۔ اور

(ii) نوعِ انسانی کی فلاح کا راز ایک ہی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مضمر ہے۔

ہرگاہ کہ

اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جو اپنی مخصوص آئیڈیالوجی اور فلسفۂ زندگی رکھتا ہے، وہ اس کے مطابق، افرادِ انسانیہ کی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا کی تخلیق کرتا ہے جس میں یہ افراد اوّلاً اپنی جماعت میں اس فلسفہ کو عملاً آزماتے ہیں اور اس کے بعد اس کے منافع کو تمام نوعِ انسانی تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔

یہ معاشرہ ایسا ہوتا ہے، جس میں

(i) افرادِ معاشرہ اپنے اندر ان صفاتِ خداوندی کو منعکس کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جنہیں "اسمائے الٰہی" کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو کائنات میں مستقل اقدار کا سرچشمہ ہیں۔

(ii) ان افراد میں ایسا ضبطِ نفس پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ان صفات میں ٹھیک ٹھیک توازن قائم رکھ سکیں۔

(iii) ان افراد میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ صحیح صحیح فیصلہ کر سکیں کہ فلاں خارجی حادثہ کی صورت میں کس قسم کی

صفتِ خداوندی کا ظہور ہونا چاہئے۔

(iv) افرادِ امت میں قوائے فطرت کی تسخیر کی قوت اور ان کے ماحصل کو فلاحِ انسانیت کیلئے صرف کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(v) انسانی اختیار و ارادہ کی وسعتیں زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور ان پابندیوں کے علاوہ جو حدود اللہ متعین کرتی ہیں، وہ ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔

(vi) افرادِ امت، حدود اللہ کی اطاعت کو خارج سے عائد شدہ پابندی نہیں محسوس کرتے بلکہ اس میں اپنی فطرتِ صالحہ کے تقاضوں کی تسکین کا سامان پاتے ہیں۔

(vii) وحدتِ خالق، وحدتِ انسانیت اور وحدت و ائتلافِ امت کا تصور محکم سے محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

(viii) اس وحدت کے عملی تصور سے انسان اور کائنات، انسان اور انسان، اور خود انسان کی اپنی ذات کے تضادات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسانی معاشرہ کی تمام ناہمواریاں مٹتی چلی جاتی ہیں۔

(ix) ہر فردِ امت اپنے آپ کو خدا کی صفتِ رب العالمینی کا مظہر سمجھتے ہوئے بلا مزد و معاوضہ انسانیت کی ربوبیتِ عامہ کا کفیل بنجاتا ہے۔

(x) احترامِ آدمی کا معیار صرف آدمیت قرار پاتا ہے اور وجہ تکریم، قانونِ خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت ہوتی ہے۔

(xi) وطن، قومیت، نسل، نسب، زبان، پیشہ، وغیرہ کی اضافی نسبتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

(xii) انسان، پیشوائیت کی روحانی غلامی اور ملوکیت اور مفاد پرستی کی طبیعی غلامی سے یکسر آزاد ہو جاتا ہے۔ یعنی اس معاشرہ میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی طاقت حائل نہیں ہوتی اور کوئی دیوار حاجب نہیں بنتی۔

ہر گاہ کہ

دنیا کے موجودہ نظام ہائے زندگی انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے اور اس قسم کے صالحانہ معاشرہ کو تشکیل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

لہٰذا

ہم اعلان کرتے ہیں کہ مملکت پاکستان ایک ایسی آزاد اور خود مختار مملکت ہے جس کا دستور قرآن کی ابدی صداقتوں پر مبنی ہوگا اور جس میں۔

(i) تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے کی ذمہ داری مملکت پر ہوگی۔

(ii) مملکت ایسا انتظام کرے گی کہ تمام افراد کو ان کی فطری صلاحیتوں کے پورے طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر میسر ہوں۔

(iii) حدود اللہ کے دائرہ عمل کے اندر افراد کے اختیارات کے استعمال میں کوئی غیر ضروری رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور مملکت ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے کا پورا پورا بندوبست کرے گی۔

(iv) تمام قدرتی اور مصنوعی وسائل پیداوار اصلاً امت کی مشترکہ ملکیت قرار پائیں گے۔ مملکت ان وسائل کو پورے طور پر مسخر کرے گی اور ان کے نتائج کو انسانیت کی نشوونما کیلئے کام میں لائے گی تاکہ عدلِ عمرانی کا تقاضا پورا ہو۔

(v) ہر فردِ مملکت قانون کی نگاہ میں یکساں حیثیت رکھے گا اور اسے بغیر مالی بار کے انصاف بہم پہنچایا جائیگا۔

(vi) مملکت کی اقلیتوں کے ساتھ پورا پورا عدل کیا جائے گا اور ان کی جان، مال، عصمت، آبرو، مذہب، معابد، سب کی حفاظت کی جائے گی۔

(vii) ساری مملکت ایک غیر منقسم وحدت ہوگی اور موجودہ صوبائی تقسیم جو ملت کے تشتت و انتشار کا موجب ہے ختم کر دی جائے گی تاکہ یہ نظام جغرافیہ، نسل، زبان، رنگ، کے غیر فطری امتیازات کو مٹا کر، وحدتِ انسانیت کے نصب العین کی طرف راہنمائی کرے اور دنیا میں امن اور خوشحالی عام ہو سکے۔

(viii) مملکت اس معاشرہ کی تشکیل اور استحکام کے لئے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، تمام افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گی اور تمام اجتماعی کوششوں کو اس نقطہ پر مرکوز کر دے گی اور اس مقصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرے گی کہ اس کی ہستی کا جواز ہی اس مقصد کا حصول ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔

تاکہ ــــــ

مملکتِ پاکستان ایک ایسی تجربہ گاہ بن سکے جو فروغ آدمیت اور ارتقائے انسانیت کے ذریعہ دنیا سے ہر قسم کے استبداد و استیلاء اور سلب و نہب کے مٹانے کا موجب ہو اور اقوامِ عالم کی صف میں اسی حیثیت سے ممتاز ہو۔ اور اس تجربہ کے عملی نتائج کو دیکھ کر تمام نوعِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور

"زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے"

دستورِ پاکستان کے بنیادی اصول

باب اول

نام اور حدود (۱) مملکتِ خداداد پاکستان کا نام جمہوریۂ اسلامیہ (شورائیہ) پاکستان ہوگا۔

(۲) اس کی حدود میں موجودہ مشرقی بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، مرکزی دائرہ کراچی، بلوچستان اور وہ ریاستیں شامل ہیں جو پاکستان سے الحاق کر چکی ہیں۔ مملکت پاکستان کو اس امر کا اختیار ہوگا کہ وہ اس کے بعد، دیگر علاقوں اور ریاستوں کو بھی حدود پاکستان میں شامل کر لے۔

مرکز (۳) جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کا نظم و نسق ایک مرکز کے تابع ہوگا اور اس مرکز سے نافذ شدہ قوانین، مملکتِ پاکستان کے قوانین قرار پائیں گے۔

باب دوم

مملکت کے اصولِ ہدایت (Directive Principles) (۱) قراردادِ مقاصد، جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کا بنیادی اصول ہدایت ہوگی، جس سے مقصود یہ ہے کہ یہ جمہوریہ قرآنی اصولوں کی پاسبان ہوگی اور ان کی تقنین و تنفیذ کا ذریعہ۔

(۲) یہ جمہوریہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جن کا ذکر قرارداد مقاصد میں آچکا ہے اور جن کی تشریح زیرِ نظر بنیادی اصولوں میں کی جا رہی ہے، کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ لیکن اس ضمن میں جمہوریہ کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہیں کرے گی جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہو۔

(۳) قراردادِ مقاصد کی رُو سے جمہوریہ کا فریضہ ہوگا کہ

(i) وہ تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی کی کفیل ہو جن میں خوراک، لباس، مکان،

حفظانِ صحت، تفریحات، وغیرہ شامل ہیں۔ ان ضروریاتِ زندگی کا پیمانہ ایسا ہوگا جس میں نہ اسراف کو دخل ہو اور نہ ہی وہ معیارِ انسانیت سے گرا ہوا۔

(ii) تمام افرادِ مملکت کو ان کی فطری صلاحیتوں کے مکمل طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر بہم پہنچائے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ مملکت، تمام افراد کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرے جس سے اُن افراد کے دل و دماغ کی تعمیر اسلامی خطوط کے مطابق ہو، تاکہ وہ تمام علوم و فنون کے نتائج کو مستقل اقدار کی روشنی میں پرکھنے کے اہل ہو جائیں اور اس طرح حسنِ سیرت اور صالحیتِ فکر کے لحاظ سے نوعِ انسانی کی راہ نمائی کر سکیں۔

(۴) ان تمام فرائض سے عہدہ برا ہونے کے لئے، زمین اور دیگر قدرتی اور مصنوعی وسائلِ پیداوار، ذرائع مواصلات و نقل و حرکت وغیرہ، امت کی مشترکہ ملکیت ہوں گے۔ نیز افرادِ ملت کی متاعِ علمی امت کا مشترکہ سرمایہ ہوگی جسے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان مفادِ ملت اور ارتقائے انسانیت کیلئے مناسب طور پر کام میں لائے گی۔

(۵) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی تمام سعی و کاوش کا رُخ اُس منزل کی جانب ہوگا جس سے دنیا میں امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو جائے اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر ظلم و تعدی نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنی کامرانیوں کے حصول کا ذریعہ بنا سکے۔ نہ ہی کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہنے پائے۔

(۶) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان انتہائی کوشش کرے گی کہ وہ اپنے ایمانِ محکم اور پاکباز روش سے بتدریج ایسے مقام تک پہنچ جائے جس سے اُسے اقوامِ عالم میں بین الملی پوزیشن حاصل ہو جائے اور وہ دیگر اقوام کے اعمال کی محاسب و نگران اور نوعِ انسانی کے متنازعہ فیہ امور میں ثالثِ عادل بن سکے۔

(۷) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان، انسانیت کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے گی۔

(۸) مملکت پاکستان، دنیا کے ہر ستائے ہوئے انسان کا ملجا و ماویٰ ہے جہاں وہ حقوقِ شہریت کی شرائط کو پورا کرتے ہوئے، اپنے دکھوں کا علاج اور تکالیف کا مداوا پا سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ جمہوریہ دیگر اقوامِ عالم سے مناسب معاہدات کرے گی اور ایسی موثر تدابیر اختیار کرے گی جس سے بین الاقوامی ادارے اس قسم کی پناہ جوئی کو حقِ انسانیت اور ایسی پناہ دہی کو فریضۂ مملکت قرار دیں۔

باب سوم

حقوقِ شہریت

(۱) اس دستور کی تاریخِ نفاذ کے دن، مملکتِ پاکستان کا ہر مستقل باشندہ جو پاکستان میں موجود ہو یا عارضی طور پر پاکستان سے باہر گیا ہو، حقوقِ شہریت کا حقدار ہوگا۔

(۲) جو شخص مملکتِ پاکستان کے شہری کی حیثیت سے نہ رہنا چاہے اسے اختیار ہوگا کہ

(i) وہ تاریخِ نفاذِ دستور سے تین ماہ کے اندر، مملکتِ پاکستان کو چھوڑ جائے۔ اس صورت میں مملکتِ پاکستان اپنی حدود تک اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ یا

(ii) کسی دوسری مملکت کے شہری کی حیثیت سے، مملکتِ پاکستان کی اجازت سے پاکستان میں رہے۔

(۳) غیر پاکستانی ممالک کے نمائندے، ہر دو ممالک کی تراضئ ماہین سے، اپنے ملک کے شہری کی حیثیت سے مملکتِ پاکستان میں رہ سکیں گے۔

(۴) غیر پاکستانی ممالک کے نمائندوں کے متوسلین، مملکتِ پاکستان کی اجازت سے، اپنے ممالک کے شہری کی حیثیت سے پاکستان میں رہ سکیں گے۔

(۵) دنیا کا کوئی باشندہ جو پاکستان میں رہنا چاہے، ایک سال کے عرصہ تک، مملکتِ پاکستان کی اجازت سے پاکستان میں غیر پاکستانی کی حیثیت سے رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد اسے مملکتِ پاکستان کی اجازت سے حقوقِ شہریتِ پاکستان حاصل ہو سکتے ہیں۔

باب چہارم

صدرِ مملکت

صدرِ جمہوریہ (۱) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا صدر رئیس مملکت (Head of the State) ہوگا۔

مجلس اعیان (۲) مجلس شوریٰ (جس کا ذکر باب ششم میں آئے گا) اپنے انتخاب سے پندرہ دن کے اندر اپنے اراکین میں سے اکیس افراد پر مشتمل ایک مجلس اعیان منتخب کرے گی، جس کا ہر رکن، مجلسِ شوریٰ

کی کم از کم ۳/۴ اکثریت سے منتخب ہوگا۔

انتخاب صدر (۳) مجلسِ اعیان، اپنی تاریخ انتخاب سے ایک ہفتہ کے اندر، اراکینِ مجلسِ شوریٰ میں سے یا ان سے باہر، لیکن اپنے میں سے نہیں، کم از کم ۲/۳ کی اکثریت سے ایک ایسے مرد مومن کو بطور صدر جمہوریہ نامزد کرے گی جو

(i) حق رائے دہندگی رکھتا ہو۔ اور

(ii) ان کی صوابدید کے مطابق

(ا) امت کو قرآنی نظام پر چلا سکنے کی اہلیت، اور

(ب) مملکتِ پاکستان کے استحکام اور ترقی کی تدابیر کو عمل میں لا سکنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۴) اگر مجلس اعیان، ایک ہفتہ کے اندر، صدر کی نامزدگی میں ناکام رہے تو مجلسِ شوریٰ اس مجلس کی جگہ اسی مقصد کے لئے، شق ۳ کے مطابق ایک جدید مجلسِ اعیان منتخب کرے گی۔

(۵) جب (باب ہفتم کے مطابق) پانچ سال کے بعد مجلس شوریٰ کا جدید انتخاب ہوگا تو اُس وقت شق ۲ و ۳ کے مطابق، صدر کی نامزدگی کی بھی تجدید ہوگی جس میں سابقہ صدر دوبارہ بھی نامزد ہو سکے گا۔

(۶) اگر پانچ سال کے دوران میں، صدر اپنے منصب سے مستعفی ہو جائے یا فوت ہو جائے، یا کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی کی سرانجامدہی کے قابل نہ رہے، تو ایک جدید مجلسِ اعیان شق ۲ و ۳ کے مطابق باقی ماندہ عرصہ کے لئے ایک نئے صدر کو نامزد کرے گی۔

صدر کی معزولی (۷) بہ تقاضائے حالات، مجلسِ شوریٰ اس سوال کو زیر بحث لا سکتی ہے کہ موجودہ صدر کو معزول کر کے اس کی جگہ نئے صدر کا تقرر ہو۔

اگر مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی ۲/۳ اکثریت صدر کے عزل کے حق میں ہو تو وہ شق ۲ کے مطابق ایک جدید مجلسِ اعیان منتخب کرے جو اس صدر کے عزل کے سوال پر غور کرے۔

اگر یہ مجلسِ اعیان اپنے ارکان کی ۲/۳ اکثریت سے صدر کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر دے تو اس کے ساتھ ہی شق ۳ کے مطابق، باقی ماندہ مدت کیلئے ایک جدید صدر کو نامزد بھی کرے گی۔

(۸) صدر جمہوریہ، اپنی مجلسِ معاونین کے اراکین میں سے دو ارکان کو نامزد کرے گا جو ہنگامی حالات میں علی الترتیب منصبِ صدارت کے فرائض کو بطور قائم مقام صدر انجام دیں۔

(۹) منصب امارت پر فائز ہونے کے فوری بعد، صدر جمہوریہ، اپنی تمام املاک و مقبوضات کی فہرست، مملکتِ پاکستان کے سرکاری جریدہ (گزٹ) میں شائع کرے گا اور اس فہرست کی تجدید ہر سال ہوتی رہے گی۔

(۱۰) صدر کا کوئی رشتہ دار کسی ایسے منصب یا اسامی پر تعینات نہیں ہو سکے گا جس کا پُر کرنا صدر کی نامزدگی (Nomination) پر موقوف ہو۔

(۱۱) صدر کی نجی حیثیت، عام افرادِ مملکت سے کسی صورت میں ممتاز نہیں ہوگی اور وہ بھی قوانین مملکت اور نظام عدالت کا اسی طرح پابند ہوگا جس طرح دیگر افرادِ مملکت۔

(۱۲) صدر کے فیصلوں کے خلاف، جنہیں وہ بہ حیثیت صدر جمہوریہ اسلامیہ پاکستان نافذ کرے گا، کہیں مرافعہ (اپیل) نہیں ہو سکے گی۔

(۱۳) صدر کی ضروریات زندگی کی کفیل مملکت ہوگی۔ اگر صدر کو کہیں سے تحائف وغیرہ موصول ہوں گے تو وہ مملکت کے بیت المال میں داخل کئے جائیں گے۔

باب پنجم

مجلسِ معاونت (Cabinet)

(۱) صدر اپنے فرائضِ منصبی میں اعانت کی غرض سے حسب ضرورت، مجلس شوریٰ کے اراکین میں سے، اپنی مجلس معاونت کے اراکین نامزد کرے گا۔ ان کی علیحدگی بھی صدر کی مرضی پر موقوف ہوگی۔

(۲) مجلسِ معاونت کے اراکین، اپنی مدتِ رکنیتِ مجلس معاونت کے دوران میں، مجلس شوریٰ کے رکن تصور نہیں کئے جائیں گے۔

(۳) صدر اور اس کی مجلسِ معاونت، نظم و نسق مملکت کے لئے ہیئت اجرائیہ (Executive) ہوگی۔ مجلس معاونت کے اراکین صرف صدر کے سامنے مسئول ہوں گے۔

(۴) اراکین مجلسِ معاونت سب مساوی حیثیت رکھیں گے۔

(۵) اراکین مجلسِ معاونت، ابتدائے رکنیت کے وقت اپنی تمام املاک و مقبوضات کی فہرست صدر کے سامنے پیش کریں گے اور اس فہرست کی تجدید ہر سال ہوتی رہے گی۔

(۶) مجلس معاونت کے اراکین کا کوئی رشتہ دار ایسی اسامی پر فائز نہیں ہو سکے گا جو کسی رکنِ مجلس کی نامزدگی (Nomination) سے پُر ہوتی ہو۔

(۷) اراکین مجلس معاونت کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت مملکت کے ذمہ ہوگی۔

باب ششم

مجلسِ شوریٰ (Parliament)

(۱) ملت کی نیابت ایک مجلسِ شوریٰ کی رو سے ہوگی جس کے ارکان (باب ہفتم کے مطابق) ملت کے منتخب کردہ ہوں گے

(۲) مجلس شوریٰ کے عمومی اجلاس سال میں کم از کم اتنی مرتبہ ہوں گے جن کا تعین دستور میں کر دیا جائے گا۔

(۳) (۹) شق (ب) کی شرط کو پورا کرتے ہوئے مجلسِ شوریٰ اپنے اجلاس میں جملہ امور متعلقہ مفاد ملت و نظم و نسقِ مملکت پر بحث و تمحیص کرنے کی مجاز ہوگی۔

(ب) مجلس شوریٰ کے لئے ضروری ہوگا کہ حسب ذیل نوعیتوں سے متعلق مسائل کو اپنے اجلاس میں معرضِ بحث میں لانے کیلئے، صدر جمہوریہ کی منظوری حاصل کرے۔

(۱) ایسے امور جو قرآن کی نصوص صریحہ کے خلاف ہوں۔

(۲) ایسے امور جن کا تعلق عسکری نظام سے ہو۔

(۳) وہ امور جو صلح اور جنگ اور دیگر اقوام سے معاہدات سے متعلق ہوں۔

(نوٹ: صدر اپنے منشور ہدایات (Instrument of Instructions) کے ذریعے مذکورہ بالا امور کی وضاحت وقتاً فوقتاً کرتا رہے گا)۔

(۴) اراکین مجلس معاونت، مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہونے کے مجاز ہوں گے تاکہ حکومت سے متعلق امور کی بابت عند الطلب وضاحت کر سکیں۔ لیکن انھیں حق رائے دہندگی حاصل نہیں ہوگا۔

(۵) صدر جمہوریہ ایک ہفتہ کا نوٹس دے کر، مجلسِ شوریٰ کا خصوصی اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ ایسے اجلاس میں وہ ولایاتِ مملکت کے والیوں اور ان کے مشیروں کو بھی شریک کر سکتا ہے۔ علاوہ بریں ملک کے دیگر افراد کو بھی مدعو کر سکتا ہے بشرطیکہ ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن مجلس شوریٰ کے اراکین کے علاوہ کسی اور کو

حق رائے دہندگی نہیں ہوگا۔

(۶) مجلس شوریٰ کے جس اجلاس میں صدر جمہوریہ شامل ہوگا وہی مسند صدارت پر متمکن ہوگا۔

(۷) مجلس شوریٰ کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوں گے۔

(۸) صدر جمہوریہ اپنی مجلس شوریٰ کے مشوروں کا احترام کرے گا لیکن جس مشورے کے متعلق دیکھے گا کہ وہ اسلام کی روح اور ملت کے مفاد کے منافی ہیں اس میں اسے مناسب ردوبدل کرنے یا اسے یکسر مسترد کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔

باب ہفتم

انتخابات

حق رائے دہندگی | پاکستان کے ہر شہری کو جو قرارداد مقاصد اور اساسی دستور پاکستان کو تسلیم کرتا ہو، حق رائے دہندگی حاصل ہوگا بشرطیکہ وہ سن بلوغت تک پہنچ چکا ہو اور فاتر العقل نہ ہو۔ یا جسے کسی پاکستانی عدالت نے کسی جرم کی سزا میں حق رائے دہندگی سے محروم نہ کر دیا ہو۔

(۲) ہر فرد کا جسے حق رائے دہندگی حاصل ہے، ایک ووٹ ہوگا۔

(۳) مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب علاقہ داری (Territorial) اور مفاداتی (Functional) ہر دو بنیادوں پر ہوگا۔

(۴) مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد حسب ذیل ہوگی

(ا) علاقہ داری بنیاد پر ــــ ہر پانچ لاکھ آبادی پر ایک ممبر کے تناسب سے ۱۶۰

(ب) مفاداتی بنیاد پر

میزان $\frac{۴۰}{۲۰۰}$ ارکان

(۵) انتخاب کا طریقہ حسب ذیل ہوگا:-

(ا) حکومت ہر حلقۂ انتخاب (Constituency) کے متعلق اعلان کر دے گی کہ اس سے کتنے امیدوار چُنے جائیں گے۔

(ب) ہر حلقۂ انتخاب کے رائے دہندگان، اپنے اپنے حلقہ میں سے اُن افراد کے نام جنہیں وہ رکنیت کے قابل سمجھیں گے تاریخ مقررہ کے اندر نمائندہ حکومت کے پاس بھیجیں گے۔ بشرطیکہ یہ افراد حق رائے دہندگی رکھتے ہوں۔

(iii) حکومت اس طرح موصول شدہ سفارشات کی، قواعد کے مطابق چھان بین کرکے ان ناموں کی فہرست مرتب کرے گی جو شرائط رکنیت پر پورے اتریں۔

(iv) اس فہرست کو شائع کر دیا جائے گا اور جو شخص چاہے گا ایک مقررہ تاریخ تک اپنا نام واپس لے سکے گا۔

(v) باقی ماندہ فہرست کو افرادِ متعلقہ کے ضروری تعارف کوائف کے ساتھ، حلقہ انتخاب میں بطور منظور شدہ فہرستِ امیدواران شائع کر دیا جائے گا ——— (vi) انتخابات کے سلسلہ میں کسی امیدوار کو اپنے متعلق یا دیگر افراد کو کسی امیدوار کے متعلق پروپیگنڈہ یا حصول آراء کیلئے جدوجہد کی اجازت نہیں ہوگی۔ تمام رائے دہندگان سے حصول رائے کا مناسب انتظام حکومت کے ذمہ ہوگا۔

(۶) ہر پانچ سال کے بعد مجلس شوریٰ کے انتخابات کی تجدید ہوگی۔

(۷) پانچ سال کے دوران میں خالی شدہ نشستوں کیلئے ضمنی انتخابات ہوتے رہیں گے جن کے انعقاد کا فیصلہ صدر جمہوریہ کریگا۔

باب ہشتم

عدلیہ

معدلت گستری معدلت گستری، جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اس مقصد کے لئے مملکت ایسا انتظام کرے گی جس سے ہر فرد مملکت کی رسائی عدالت تک ہو سکے اور مملکت کا کوئی فرد عدالت کی دسترس سے باہر نہ رہے۔

(۲) عدل کا حصول بلا معاوضہ ہوگا اور دو عدالتوں تک (جن میں عدالتِ عالیہ بھی شامل ہے) حصولِ عدل کی درخواست پر کسی قسم کی کورٹ فیس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

(۳) مملکت کے کسی فرد کو عدالت میں باضابطہ مقدمہ چلائے بغیر کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

(۴) قانون کی نگاہ میں ہر فرد یکساں ہوگا۔

(۵) صدر اور اس کی مجلس معاونین کے فیصلوں کے علاوہ ہیئتِ اجرائیہ کے ہر فیصلہ کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی اجازت ہوگی۔

(۶) قرارداد مقاصد یا دستور اساسی کی رو سے جن بنیادی حقوق کا ذمہ مملکت نے لیا ہے ان حقوق کے پورا نہ کرنے کی صورت میں حکومت کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی اجازت ہوگی۔

عدالتِ عالیہ (۷) مملکت پاکستان کی عدالتِ عالیہ نظامِ عدل کی آخری کڑی ہوگی۔

(۸) عدالتِ عالیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا تقرر صدر جمہوریہ کریگا اور اسی کو اس کی معزولی کا اختیار ہوگا۔
(۹) افرادِ مملکت کو قانون اور اس کے تضمنات سے آگاہ کرنے کیلئے، مملکت کی طرف سے مفتی متعین ہوں گے جن سے عدالتی چارہ جوئی کے سلسلہ میں بلا معاوضہ مشورہ لیا جائے گا۔

باب نہم

تنظیم مملکت

ولایتی تقسیم (۱) مملکتِ پاکستان کا نظم و نسق وحدانی طریق (Unitary Form) سے ہوگا۔
(۲) انتظامی سہولت کی غرض سے مملکت کو مختلف خطوں (Units) میں تقسیم کیا جائیگا جن میں سے ہر خطہ ولایت کہلائیگا۔

والی (۳) ہر ولایت کا رئیسِ انتظام، والی ہوگا جسے صدر جمہوریہ اپنی مجلس شوریٰ میں سے نامزد کرے گا اور اسی کو اس کی تبدیلی اور معزولی کے اختیارات ہوں گے۔

مجلسِ معاونت (۴) ولایتوں کی مجالس مقننہ الگ الگ نہیں ہوں گی۔ مرکز سے نافذ شدہ قوانین ولایتوں میں نفاذ پذیر ہوں گے۔ لیکن ہر والی کی ایک مجلسِ معاونین ہوگی جس کے ارکان، صدر جمہوریہ مرکزی مجلس شوریٰ سے نامزد کریگا۔ ان ارکان کی تبدیلی اور علیحدگی کا اختیار بھی صدر جمہوریہ ہی کو حاصل ہوگا۔
(۵) والی اور اس کی مجلس معاونین، ولایتِ متعلقہ کی ہیئتِ اجرائیہ (Executive) ہوگی۔
(۶) والی اپنی ہیئتِ اجرائیہ کے فیصلوں کیلئے صدر جمہوریہ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔
(۷) ولایت کی ہیئتِ اجرائیہ کے فیصلوں کے خلاف صدر جمہوریہ کے ہاں اپیل ہو سکے گی۔
(۸) نجی حیثیت سے والی یا اس کی مجلسِ معاونین کے ارکان کو عام افرادِ مملکت سے کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بھی قانونِ مملکت اور نظامِ عدالت کے اسی طرح پابند ہوں گے جس طرح دیگر افرادِ مملکت۔
(۹) والی اور اس کی مجلس معاونت کے ارکان، اپنے تقرر کے وقت، اپنی تمام املاک اور مقبوضات کی فہرستیں صدر جمہوریہ کے سامنے پیش کرینگے اور ان فہرستوں کی سالانہ تجدید ہوتی رہے گی۔ (۱۰) والی اور اس کی مجلس معاونت کا کوئی رشتہ دار کسی ایسی اسامی پر تعینات نہیں ہو سکے گا جو والی یا اس کی مجلس معاونت کے ارکان کی نامزدگی (Nomination) سے پُر ہوتی ہو۔
(۱۱) والی اور اس کی مجلس معاونین کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل مملکت ہوگی۔

باب دہم

عمالِ حکومت

(۱) مملکتِ پاکستان کے نظم و نسق کیلئے عمال کا انتخاب، نظارتِ خدماتِ عامہ (پبلک سروسز کمیشن) کے سپرد ہوگا جس کے اراکین کو صدر جمہوریہ نامزد کرے گا۔

(۲) پبلک سروسز کمیشن کے ارکان کا کوئی رشتہ دار کسی ایسی اسامی پر تعینات نہیں ہو سکے گا جو کمیشن کے نامزدہ امیدوار (Nominee) سے پُر کی جائے۔ البتہ انھیں عام مقابلہ کے ذریعے اسامیاں حاصل کرنے کی اجازت ہوگی۔

(۳) پبلک سروسز کمیشن کے ارکان، نیز مختلف محکموں کے "کامِ اعلیٰ" اپنے تقرر کے وقت، اپنی تمام املاک و مقبوضات کی فہرستیں صدر جمہوریہ کے سامنے پیش کریں گے اور ان فہرستوں کی سالانہ تجدید ہوتی رہے گی۔

(۴) وہی افراد بطور عمالِ حکومت تعینات کئے جائیں گے جو قرارداد مقاصد اور دستور اساسی کو تسلیم کریں۔ البتہ صدر جمہوریہ کو اختیار ہوگا کہ بعض اسامیوں کیلئے اس اصول میں استثنا کر دے۔

(۵) تمام عمالِ حکومت کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ملت کے خدام سمجھیں اور اُن امانتوں کے امین جو ان کی تحویل میں دی گئی ہوں۔

(۶) ہر عامل حکومت، اپنے تقرر کے وقت، اپنی تمام املاک و مقبوضات کی فہرست، اپنے ناظمِ محکمہ کے پیش کریگا اور ان فہرستوں کی سالانہ تجدید ہوتی رہے گی۔ صدر جمہوریہ کو اختیار ہوگا کہ ان فہرستوں میں سے جسے چاہے طلب کرے

(۷) قانون کی نگاہ میں عام افرادِ مملکت اور عمالِ حکومت میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

باب یازدہم

مالیات

(۱) مملکتِ پاکستان اپنی آمدنی کا کوئی ذریعہ ایسا اختیار نہیں کرے گی جو حدود اللہ سے متصادم ہو۔

(۲) مملکت پاکستان اپنے محاصل کو قراردادِ مقاصد اور دستورِ اساسی میں بیان کردہ اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے صرف کریگی۔

(۳) مملکت کے محاصل و مخارج کے متعلق مجلس شوریٰ ایسا میزانیہ مرتب کرکے صدر جمہوریہ کے سامنے پیش کریگی جو عدل عمرانی کا ضامن اور ربوبیتِ عامہ کا کفیل ہو۔

(۴) مملکت کی مالیاتی تحویل اور اخراجات کا نظم ونسق ایسے سلیقہ سے کیا جائیگا جس سے معاشی توازن بگڑنے نہ پائے۔
(۵) مملکت کے تمام اربابِ حل وعقد اپنے آپ کو مملکت کے جملہ اموال واملاک کا امین سمجھیں گے۔

باب دوازدھم

عسکری نظام

(۱) مملکتِ پاکستان کی عسکری قوت، اپنی آئیڈیالوجی کے تحفظ، مملکت کے استحکام، حق کی حمایت، مظلوم کی امداد، ظلم کی روک تھام اور اپنی اقلیتوں کے جان، مال، عصمت، مذہب، معابد کی حفاظت میں صرف ہوگی۔
(۲) مملکت پاکستان افرادِ امت کی عسکری تربیت کا ایسا انتظام کریگی جس سے ہر فرد عند الضرورت مملکت کی فوج کا فعال رکن بن سکے۔
(۳) مملکتِ پاکستان کے عسکری نظام کا رئیس (Head) صدر جمہوریہ ہوگا۔

باب سیزدھم

بین الاقوامی تعلقات

(۱) مملکت پاکستان، اقوام عالم سے ہر ایسے کام میں تعاون کریگی جو وحدت و فلاحِ انسانیت، ربوبیت عامہ اور عدل عمرانی کا مؤید ہو اور ہر اُس اقدام سے بیزاری کا اظہار کریگی جس سے ان امور کو زد پہنچتی ہو۔
(۲) مملکتِ پاکستان، ہر اس قوم سے رشتۂ اخوت استوار رکھے گی جو قرآنی آئیڈیالوجی کو تسلیم کرے۔ اور ایسی تمام اقوام وممالک کو ایک مرکز پر مجتمع کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگی۔
(۳) مملکت پاکستان کی دوستی اور دشمنی، اتحاد و اختلاف اور صلح وجنگ کا معیار حق و باطل ہوگا۔
(۴) سیاسی، اقتصادی، ثقافتی امور میں مملکتِ پاکستان کے بین الاقوامی تعلقات باہمی مفاد، اور عدل وقسط کے اصول پر مبنی ہونگے تاکہ انسانی معاشرہ میں توازن قائم رہ سکے ——— (۵) مملکت پاکستان دیگر اقوام سے کوئی ایسا معاہدہ نہیں کریگی جو حدود اللہ سے متصادم ہو۔
(۶) مملکت پاکستان بین الاقوامی معاہدات کا احترام اور وعدوں کا پاس کریگی اور دیگر اقوام سے ہر معاملہ میں دیانت اور امانت کو ملحوظ رکھے گی۔
(۷) مملکتِ پاکستان کی طرف سے بین الاقوامی معاہدات کا اختیار صدر جمہوریہ کو حاصل ہوگا۔

باب چہاردھم
متفرقات

معیارِ زندگی (۱) اسلام کی رو سے افرادِ امت کا معیارِ زندگی ایسا ہونا چاہئے جس میں نہ اسراف ہو اور نہ ہی وہ عام معیارِ انسانیت سے گرا ہوا ہو۔ صدر جمہوریہ کی مجلس معاونین کے ارکان، مختلف ولایتوں کے والی اور ان کی مجلس معاونین کے ارکان، مملکتِ پاکستان کے سفراء یا دیگر افراد جو دوسرے ممالک میں مملکت کی نمائندگی کیلئے جائیں، ان کے علاوہ جن اور عمالِ حکومت کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت مملکت کے ذمہ ہے، ان سب کے متعلق صدر جمہوریہ اس امر کی سختی سے نگہداشت کریگا کہ ان کی ضروریات کے پیمانوں میں اسراف کی کوئی جھلک نہ آنے پائے۔ نیز وہ اس امر پر بھی کڑی نگاہ رکھے گا کہ مملکت کی مختلف تقاریب پر یا باہر سے آنیوالے مہمانوں کی تواضع میں نہ نمود کو دخل ہو نہ اسراف کو۔

محاسبِ اعلیٰ (۲) مالیاتِ مملکت کیلئے محاسبِ اعلیٰ (آڈیٹر جنرل) کا تقرر صدر جمہوریہ کی نامزدگی سے ہوگا اور وہی اس کی معزولی کا اختیار رکھے گا۔ محاسب اعلیٰ اپنی رپورٹ صدر جمہوریہ کے پیش کرے گا۔

(۳) مملکت کی ولایتوں میں مالی محاسبوں کا تقرر بھی صدر جمہوریہ کی نامزدگی سے ہوگا۔ وہ اپنی رپورٹیں والی متعلقہ اور صدر جمہوریہ کے پیش کریں گے۔

باب پنجدھم
دستور کی خصوصیات و ترمیمات

(۱) دستور کی تدوین میں اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے گا کہ دستور متصلب اور جامد (Rigid and inflexible) ہونے کی بجائے مناسب لچک اپنے اندر رکھے تاکہ اس میں حدود اللہ کے دوائرِ عمل کے اندر وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے توافق و تطابق کی صلاحیت باقی رہے۔

(۲) دستور اساسی حسب ذیل دو حصص پر مشتمل ہوگا۔

حصہ اول — قرارداد مقاصد، صدر جمہوریہ کے اختیارات، صدر جمہوریہ کے انتخاب اور عزل سے متعلقہ دفعات اور بنیادی حقوق و فرائض کو محیط ہوگا۔ اور

حصہ دوم میں باقی دفعات شامل ہوں گی۔

دستورِ اساسی کا حصہ اول اصلاً ناقابلِ تنسیخ و تغیر ہوگا۔ حصہ دوم میں ضروری ترمیمات، مجلس شوریٰ کی سفارش اور صدر جمہوریہ کی صوابدید سے ہو سکیں گی۔

حصۂ دوم

بنیادی حقوق و فرائض

تمہید (۱) جماعت اور افراد کے درمیان باہمی تعلق ایک غیر تحریری معاہدہ سے ہوتا ہے جس کی رو سے افراد کے کچھ حقوق ہوتے ہیں جنھیں پورا کرنا ملت کا فریضہ ہوتا ہے اور کچھ فرائض ہوتے ہیں جن کی ادائیگی افراد کے ذمہ ہوتی ہے۔

(۲) قرآنی میثاق کی رو سے، افراد اپنی جان اور املاک، ملت کی تفویض میں دیدیتے ہیں اور ملت ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل، ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار اور ہر قسم کے خطرات سے ان کے تحفظ کی ضامن بن جاتی ہے۔ افرادِ ملت کے یہ حقوق غیر مشروط ہوتے ہیں۔

غیر مشروط حقوق (۳) جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان میں حسب ذیل حقوقِ انسانیت غیر مشروط ہوں گے۔

(i) **رزق**۔ یعنی تمام بنیادی ضروریات زندگی کی بہم رسانی۔

(ii) **نشوونما و ارتقاء**۔ یعنی تمام افراد کی فطری صلاحیتوں کے کامل طور پر نشوونما پانے کیلئے تعلیم و تربیت کا انتظام۔

(iii) **عدل**۔ ہر فرد کی عدالت تک رسائی۔ قانون کی نگاہ میں ہر فرد کی حیثیت یکساں۔

(iv) **حفاظت**۔ ہر فرد مملکت کی تمام خطرات سے کما حقہ صیانت۔

(v) **عصمت**۔ ہر عورت کی عصمت کا تحفظ۔

(vi) **مذہب**۔ ہر فرد مملکت کے لئے کوئی سا مذہب اختیار کرنے اور چھوڑنے کا پورا پورا اختیار۔

مشروط حقوق (۴) دوسری قسم کے حقوق وہ ہیں جو حالاتِ زمانہ اور مقتضیاتِ مملکت اور مصالحِ جماعت سے مشروط ہوتے ہیں۔ ان میں حسب ذیل حقوق شامل ہوں گے۔

(i) **جان کی حفاظت**۔ قانون کی رو سے عائد شدہ سزائے موت اور جنگی ضروریات کے علاوہ جان کا تحفظ۔

(ii) **تحفظِ املاک**۔ جن اموال واملاک کا ازروئے قانون، افراد کی تحویل میں رکھا جانا جائز ہوگا، انھیں بجز قانونی اجازت کے چھینا نہیں جائے گا۔

ان مملوکات میں افراد کو حدود اللہ کے اندر اپنی مرضی کے مطابق حق تصرف وانتقال حاصل ہوگا نیز قانون کے مطابق حقِ وصیت ووراثت بھی۔

(iii) تقریر، تحریر، اظہار رائے، معاشرتی اجتماعات، ثقافتی، معاشرتی اور رفاہِ عامہ کے اداروں کی تشکیل اور ان میں شمولیت، حدودِ مملکت میں نقل وحرکت اور جائے سکونت کے انتخاب کی آزادی، بشرطیکہ یہ حدود اللہ سے متجاوز نہ ہونے پائے اور اس سے دوسرے افراد کے حقوق کی پامالی نہ ہو۔ حدود اللہ کی صراحت اور دیگر افرادِ مملکت کے حقوق کی وضاحت ازروئے قانون کی جائیگی۔

(iv) انتخاب کاروبار، صنعت وحرفت اور پیشہ کی آزادی۔ بجز اینکہ ان امور میں مفادِ ملت کو ہمیشہ تقدم حاصل ہوگا جس کا تعین ازروئے قانون کیا جائے گا۔

(v) کسی فردِ مملکت کو بلا قانونی اجازت کے گرفتار نہیں کیا جائے گا اور قانون کی جائز کاروائی کے بغیر دورانِ تفتیش میں محبوس نہیں رکھا جائے گا۔

(vi) کسی فردِ مملکت کو قانون کی جائز کاروائی کے بغیر نظر بند نہیں کیا جائے گا۔

(vii) کسی ملزم کو مجرم نہیں سمجھا جائے گا تا آنکہ عدالت اُسے مجرم نہ قرار دیدے۔

فرائض (۵) بنیادی حقوق کے مقابلہ میں، افرادِ مملکت پر حسب ذیل بنیادی فرائض عائد ہوں گے:

(i) ہر فردِ ملت، اس معاشرہ کا بہترین رکن بننے کی کوشش کرے گا جس کا ذکر قرارداد مقاصد میں کیا جا چکا ہے۔

(ii) ہر فردِ مملکت، حدود اللہ کی نگہداشت اور مملکت کی پاسبانی کرے گا۔

(۱۶) افرادِ ملت اپنی جان اور جملہ متاع کو امت کی مشترکہ ملکیت تصور کریں گے اور اپنے آپ کو ان کا امین۔ ان امانات میں سے جس امانت کی ملت کو ضرورت ہوگی فردِ متعلقہ اسے بطیب خاطر ملت کے سپرد کردے گا۔

(۱۷) ہر فردِ مملکت کے ذمہ فوجی تربیت اور خدمت لازمی ہوگی۔ لیکن صدرِ جمہوریہ جن افراد کو چاہے قانون متعلقہ کے مطابق اس خدمت سے مستثنیٰ قرار دے سکتا ہے۔

تدوین آئین کا مسئلہ

(میرزا عبداللہ انور بیگ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ لاہور)

حالات و کوائف کا تاریخی بہاؤ دیکھا جائے تو مستعمرات پاکستان اور ہندوستان کا قیام ان زمانی قوتوں کا قابل فہم ناگزیر نتیجہ ہے جو باشندگان برصغیر ہند و پاک کے تہذیبی اور معاشی تصادم کے پس منظر سے ابھر رہی تھیں تقسیم کی تکمیل اس تاریخی وثیقہ کی رو سے عمل میں لائی گئی جسے "آئین آزادی ہند" کہا جاتا ہے اور جسے برطانوی پارلیمان نے ڈرامائی سرعت سے منظور کیا۔ اس عجلت کا اندازہ اس تماشے سے کیا جا سکتا ہے جسے رچا کر دونوں مستعمرات کو آزاد کیا گیا۔ یہ سوالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ آیا دونوں ممالک آزادی کے مستحق تھے؟ ان کا تصور آزادی کیا تھا؟ اور آزادی کو انھوں نے کیسے استعمال کیا؟ لیکن ان کے جوابات ہم آئندہ مورخ پر چھوڑتے ہیں۔ وہی اس آزادی کی حقیقی اہمیت کا اندازہ لگا سکے گا اور جدید نفسیات کی روشنی میں ان نو آزاد ممالک کے طرز عمل کی صحیح قدر کا تعین کر سکیگا۔ البتہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دونوں ممالک کے ایک ساتھ قیام سے ایسے نئے مسائل پیدا ہو گئے، اور ایسی ذمہ داریاں آپڑیں جو حصول آزادی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ آزادی کا تحفظ نہ کر سکنے والی قوم کو آزادی کا کوئی حق نہیں۔ جو لوگ حقوق و تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں انھیں جاننا چاہئے کہ ان پر ایسے فرائض و واجبات بھی عائد ہوں گے جو حیات قومی کیلئے ناگزیر ہیں۔

پاکستان جن غیر متوقع اور ہنگامی مشکلات سے دوچار ہوا، وہ حکومت اور قوم دونوں کے لئے خوفناک اور انتہائی صبر آزما تھیں۔ لیکن قائداعظم کا یہ آہنی عزم کہ وہ پاکستان کو حاصل کر کے اور کامیاب بنا کے دم لیں گے رنگ لایا اور وہ نہ محض اپنا مقدمہ جیت گئے بلکہ معاندت اور عداوت کے طوفان کے علی الرغم نوزائیدہ پاکستان کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے چھوڑا۔ اس اعتبار سے قائد پاکستان کا مقابلہ دنیا بھر کے اعاظم رجال سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کا پایہ امریکہ کے جارج واشنگٹن اور ترکی کے مصطفےٰ کمال اتاترک سے کسی طرح کم نہیں۔ قیام پاکستان میں ان مسلمانان ہندوستان کا بھی حصہ کسی طرح کم نہیں جن کے ملی عزم نے نہ محض اس سٹیٹ کے تصور کی تائید کی بلکہ اس کے لئے طرح طرح کی صعوبات برداشت کیں اور اس پر بھی اپنے قائداعظم کا ساتھ نہ چھوڑا جو ان کے مفاد کی خاطر برسرپیکار رہا اور جس نے آسمان سیاست میں ان کیلئے ایک نئے سیارے کی تخلیق کر کے ان کے خواب کو متشکل کر دکھایا۔

پاکستان کے سامنے اہم ترین مسئلہ تدوین آئین کا ہے کیونکہ پاکستان اور پاکستانیوں کی تقدیر اور ان کے مستقبل کا تمامتر

انحصار اسی ایک مسئلہ پر ہے۔ پاکستانی اس حرکیاتی دنیا میں ترقی پسند بن کر رہنا چاہتے ہیں اور اس اعتبار سے قدرتی طور پر ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کیلئے ایسا مناسب آئین مدون کیا جائے جو اسلامی اصولوں سے مطابقت رکھتا ہو اور ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت بھی دے۔ اس کا امکان اسی طور پر ہو سکتا ہے کہ عوام کیلئے ایسا نظام حیات مرتب و رائج کیا جائے جو ان کی حیات قومی کے تہذیبی اور معاشی تقاضوں کو پورا کرے کیونکہ اسی سے بالواسطہ کسی نظام کی معاشی اور سیاسی بالیدگی کے سامان پیدا ہوتے ہیں اور وہی اس نظام کو مجموعی طور پر کامیاب بناتے ہیں۔

یوں تو کسی قوم کی طرف سے کسی خاص آئین کے نفاذ کا مطالبہ بالکل قدرتی ہے لیکن کچھ عرصہ سے اس ضمن میں خاص انتشار پیدا کیا جا رہا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ عوام کا تو خیر اس انتشار میں مبتلا ہونا بے شعوری کی وجہ سے ہے لیکن بعض خود غرض گروہ اپنے عزائم مشئومہ کی خاطر میدان سیاست میں نعرہ بازی سے کام لے کر اسلام کے نام کو ناجائز طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ اسلام روز اول سے زندگی کا ایک معقول آزاد اور ترقی پسند نظام رہا ہے۔ لہذا کسی آئین کے اسلامی ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ امر موجب حیرت ہو سکتا ہے۔ البتہ لفظ "اسلام" کی ایسی ایسی دور از کار تحویلیں روا رکھی گئی ہیں جن کی وجہ سے کئی فتنے پیدا ہو گئے اور عوام میں عام بے چینی اور عدم اطمینان کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔ بعض گروہ جو ایک طرف سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں اور دوسری طرف قدیمی اسلام کے داعی بن کر سامنے آتے ہیں، اسلام کا وہی مفہوم لینے پر مصر ہیں جس کو وہ صحیح سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کی من مانی توجیہیں کرتے ہیں اور اس امر کا مطلقاً خیال نہیں کرتے کہ قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تاریخ و روایات اسلامی کی روشنی میں اسلام کی کوئی معقول توجیہ کریں اور زندگی کے روزمرہ کے مسائل و مباحث کو نقد و جرح اور تشریح و تعبیر کے حرکیاتی اصولوں کی روشنی میں دیکھیں۔ ان کی یہ روش رجعت پسند ملائیت سے ملتی جلتی ہے جس کے مہلک اثرات نے بالعموم دنیائے اسلام کی اور بالخصوص ترکی، ایران اور افغانستان کی قومی زندگی کو غارت کر دیا۔ اسی طرح پاکستان میں آئین سازی کے کام کو بہترین عزائم کے باوجود دشوار تر بنا دیا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو آئین سازی کوئی ایسی ٹیڑھی کھیر نہیں ہے۔ ہمیں قوم کے مطالبہ اور اس کی بے چینی کا علمی اور عقلی جائزہ لینا اور انھیں تاریخ اسلامی اور ان نظام ہائے سیاسی کی روشنی میں دیکھنا ہے، جو صدیوں نافذ رہے۔ اس ضمن میں ان نظائر و مویدات کو خصوصیت سے نگاہ میں رکھنا چاہیے جنھیں مختلف ممالک اسلامیہ میں ہر دور کی حکومت نے رائج کیا اور ترقی دی۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو قوم کو سب سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہے جو ان میں اس کا صحیح تصور پیدا کرے کہ وہ دراصل کیا چاہتے ہیں اور کس قسم کے نظام اور طرز حکومت کے متمنی ہیں۔ سٹیٹ معاشرہ کے سیاسی شعور سے تربیت پاتی ہے اور اسی نوعیت اور سطح کے مطابق اپنی ہیئت تبدیل کرتی ہے۔ جوں جوں اس شعور کی سطح بلند ہوتی جاتی ہے سٹیٹ ابتدائی وحشی طرز سے اعلیٰ ترقی یافتہ اور

جدید سٹیٹ میں تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے سٹیٹ معاشرہ کی تہذیبی سطح کا آئینہ ہوتی ہے۔ مزید برآں تدوین آئین کا انحصار نظام سیاسی کے کوائف پر ہے اور ان کے مطابق اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، لہٰذا کسی آئین کے مناسب یا مفید ہونے کا فیصلہ حکومت کی ظاہری شکل سے اتنا نہیں ہوتا جتنا متعلقہ قوم کی معاشرتی ترقی سے ہوتا ہے۔

اسلام نے انسانیت کو ایک نیا پیغام دیا اور اعلیٰ اخلاقی زندگی کے ایسے قواعد و اصول دیئے جنھوں نے انسانوں کو معاملات باہمی میں عدل کرنا سکھایا، زندگی کے متعلق مجموعی طور پر ایک معقول تصور پیدا کیا اور علوم و فنون کی ترویج و ترقی کی اہمیت کو بڑھا دیا کیونکہ انسانیت کی عمومی خوشحالی اور علمی ترقی ہمیشہ انہی سے وابستہ رہی ہے۔ خلفائے عہد اول اور بعد کے مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے اپنے عہد حکومت میں ہمیشہ علم کے حصول اور اس کی اشاعت و ترقی کی حوصلہ افزائی کی کیونکہ ایک طرف قرآن نے اس پر زور دیا اور دوسری طرف رسول اکرم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس کا عملی نمونہ پیش کیا اور اپنے اقوال میں اس کی تاکید فرمائی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے عباسیہ نے یونانی علوم کی سرپرستی کی اور اپنی نگرانی میں فلسفہ اور دیگر علوم کی یونانی کتابوں کے عربی تراجم کرائے۔ انھوں نے سائنس کے طبیعی و کیمیائی شعبوں میں آزادانہ تحقیقات کو فروغ دیا اور ان کے عہد میں طب اور ریاضی میں بیش از بیش انکشافات ہوئے۔ عرب کے ساتھ فارس کے ربط و اختلاط نے اس روش کو مزید تقویت پہنچائی۔ چنانچہ ملل اسلامیہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ان کا طرزِ معاشرت ترقی پسندانہ تھا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے وہ علم اور صداقت کے متلاشی رہے۔ انھوں نے حذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر عمل کیا اور جہاں کہیں بھی انھیں کوئی اچھائی نظر آئی اسے انھوں نے نہایت بے تکلفی سے اپنا لیا۔ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ملل اسلامیہ، جو اس وقت تاریخ کے دوراہے پر کھڑی ہیں، انھیں اپنے آبا سے ایسا گراں قدر ورثہ ودیعت ہوا ہے کہ جسے وہ قرآن کی روشنی میں کسی سٹیٹ یا ملک کے مملکتی یا ملی کوائف میں آزما سکتی ہیں۔ کوئی ملک ہو اور کوئی دور، اس ورثہ سے ہر قسم کی مشکلات و مسائل میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اندریں حالات پاکستان میں تدوینِ آئین کا مسئلہ گو بادی النظر میں غیر معمولی نوعیت کا حامل ہے، تاہم اسے ملک و ملت کیلئے اطمینان بخش طریق سے نپٹایا جا سکتا ہے بشرطیکہ دیانتدارانہ طریق سے تمام صورتِ حال کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے اور ملک کے حالات و کوائف نیز مزاج و اقتضائات قومی کو نگاہ میں رکھا جائے۔ جس قوم کے لئے آئین تیار کرنا ہے اس کے خصائص کو بدیں وجہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ آئین حال کے تقاضوں اور متعلقہ قوم کے تاریخی کارناموں کے مطابق ہی مدون کیا جا سکتا ہے۔ آئین حال ہی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ نہ یہ مستقبل کا لائحہ عمل ہو سکتا ہے، نہ مستقبل کے ممکن کارناموں سے متعلق منشور۔ بہر حیث اس کا بیشتر دارومدار انسان اور اس کی سیرت پر ہے۔ امور انسانی میں فرد ہی مثبت کارگذاری، امن یا

جنگ، تعمیر یا تخریب کا حقیقی عامل ہوتا ہے۔ جدید علم النفس میں ہمارے مسائل سے متعلق بیش از بیش مواد مل جائے گا۔

قرآن و روایات اسلامیہ کے لحاظ سے ملل اسلامیہ کا ماضی ایمانداز ہدایات کا وافر سامان رکھتا ہے۔ اسلامی اصولوں کا سارا ذخیرہ جواہر آج بھی دنیائے اسلام کے سامنے ویسے رکھا پڑا ہے جیسے زمانہ ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ مسلمان آج بھی ان سے بدستور سابق مستفید ہو سکتے ہیں۔ زندگی کے اسلامی اصول و قواعد حرکیاتی ہیں اور انھیں جمود سے دور کا بھی واسطہ نہیں جیسا کہ بعض حلقوں میں انھیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ حلقے وہ ہیں جو فقدان تعلیم کے باعث بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور وہ عالمی کوائف و گردوپیش کے عوامل سے کلیتہً بے خبر ہیں۔ تدوین آئین کی مثال یوں سمجھئے، جیسے آپ کسی غیر ملک کو جانے سے پیشتر کسی درزی کو خاص لباس سلنے کیلئے دیں۔ یہ لباس آپ کی ضرورت اور رائج الوقت فیشن کے مطابق تیار ہوگا۔ نیز اس کی تیاری میں اس کپڑے کی نوعیت کا بھی خیال رکھا جائے گا جو آپ سلنے کیلئے دیجئے گا۔ اسی طرح یہ پوچھنا کہ آپ آئین۔ سے کیا مراد لیتے ہیں اور آپ کے ذہن میں اس کا کونسا نمونہ ہے، بالکل معقول ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ مصر (غالباً فواد اول) کا شاہی جلوس نکلا تو ایک فلاح اس کی سواری کے قریب پہنچ گیا اور درخواست کی کہ "حضور مجھے آئین چاہیئے"۔ بادشاہ اس کی عجوبہ درخواست سے حیران ہوا اور اسے وزیر کے سپرد کیا کہ وہ اس کا مناسب انتظام کرے۔ وزیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک سکہ جیب سے نکالا اور فلاح کی طرف پھینکتے ہوئے کہا کہ "یہ لو، یہ ہے تمہارا آئین"۔ فلاح نے وہ سکہ لے لیا اور خوشی خوشی اپنی راہ لی۔ وزیر نے جس طریقے سے فلاح کو خوش کیا، اس سے بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔ لیکن دیکھا جائے تو ایک فلاح کیلئے آئین کا مطالبہ اس سے زیادہ اور کیا معنی رکھ سکتا تھا کہ اسے کچھ دلوا کر خوش کر دیا جائے۔ اس کا مطالبہ کیا تھا اور اس مطالبہ کا مفہوم کیا؟ اس کی صحیح توجیہہ عصر حاضر کے علمائے نفسیات سے پوچھئے جو آپ کو بتائیں گے کہ کس طرح بعض لوگ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ خدا کرے پاکستان کے عوام کا یہ حال نہ ہو۔ یہاں صورت یہ ہے کہ اسلامی آئین کی تدوین اور ترویج کے اعلان نے ان میں عجیب و غریب توقعات پیدا کر دی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں واقعی اسلامی آئین سے بھی مطمئن کرنا بہت دشوار ہو جائے گا۔ کیونکہ اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی آئین اس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہر چور کے ہاتھ نہیں کاٹ دیتا اور ہر زانی کو سنگسار نہیں کر دیتا۔ تدوین آئین کا مسئلہ نہایت اہم اور سنگین ہے اور اسے صرف ماہرین آئین ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر معاملہ ایسے ماہرین کی جماعت کے سپرد کر دیا جائے تو پاکستان کی تاریخ آئین سازی کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔

گزشتہ چند مہینوں سے جو غلط بحث خصوصیت سے روا رکھا گیا ہے، اس کا دائرہ "اسلامی" اور "غیر اسلامی" کے الفاظ تک محدود رہا ہے لیکن یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ الفاظ بے معنی طور پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔ اس کے خصوصی ذمہ دار وہ حلقے ہیں جو ملک میں اپنے آپ کو قدامت پسند مسلمانوں کے ترجمان جتلاتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرز زندگی کا از سر نو احیاء

کیا جائے جو مدت مدید سے عمومی اور رسمی طور پر "اسلامی" کہلایا جاتا رہا ہے۔ ان کی نگاہ اسلام کی ان اقدار تک پہنچنے سے قاصر رہی ہے جن کا اظہار وسیع معنوں میں مذہب اور اخلاق کے دائروں میں ہوتا ہے۔ قائداعظم، مطالبۂ پاکستان کی علت اور اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے قیام پاکستان کے بعد اعلان کیا تھا کہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس انھوں نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ پاکستان ایک لادینی اسٹیٹ ہوگی۔ اس کی تائید مزید مرکزی حکومت کے نمائندوں اور دیگر قومی نمائندوں نے کی جس سے مذکورہ اعلان کے صحیح مفہوم کے متعلق طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی اقلیتوں اور ہمسایہ ملک ہندوستان کے اکثر لوگوں میں گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے اور اخبارات نے بھی اس پر کافی لے دے کی۔ اس طرح پاکستان کے نقطۂ نظر کے متعلق بیرونی ممالک میں بھی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ گھبراہٹ اور غلط فہمی بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ اسلام جملہ معاملاتِ انسانی کو ایک کلی وحدت متصور کرتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں متوازن ترقی کا داعی ہے۔ وہ امور دنیا کے دونوں پہلوؤں میں حسین امتزاج پیدا کر کے زندگی کو ایک وحدت بنا دیتا ہے جس سے اس دنیا اور اُس دنیا کی زندگی میں تسلسل پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی وحدت اور تسلسل کا عکس انسان کے قول و فعل پر پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال کہ پاکستان کو اسلامی سٹیٹ بننا چاہئے یا لادینی سٹیٹ درحقیقت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ یہ سٹیٹ مسلمان سٹیٹ ہے اور اس کا نظم مملکت بیشتر مسلمانوں کے ہاتھ ہے۔ دستوری قانون (Constitutional Law) کی رو سے اس اعلان کی کوئی ضرورت نہیں کہ پاکستان اسلامی یا مسلم سٹیٹ ہوگا۔ بلکہ اصلی مسئلہ جو ہمارے سامنے ہے اس کے پیش نظر عملاً اس اعلان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسلامی سیاست اور تاریخ پوری طرح شاہد ہیں کہ ایک نظام مملکت کی حیثیت سے اسلام حیات کے صرف انہی اساسی اصولوں پر زور دیتا ہے جو زندگی کے اہم شعبوں میں انسانیت اور اس کے انتظامی و عمرانی اداروں کو اعلیٰ خطوط پر تشکیل دیتے ہیں اور انھیں نشوونما اور بالیدگی عطا کرتے ہیں۔

جو لوگ آئینی مسئلہ کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکے ان میں ایک خاص طبقہ ان پاکستانی تعلیم یافتوں کا ہے جو اپنی خصوصی تعلیم کی وجہ سے معاشی اصولوں پر مبنی مغربی طرز آئین کے مقابلہ میں اسلامی آئین کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کیلئے آئین مرتب ہوگا ان میں آئین کی اہمیت و ضرورت کو مقبول بنایا جا سکتا ہے اور انھیں بتایا جا سکتا ہے کہ آئین مساوات اور عمرانی عدل پر مبنی ہوگا اور وہ ان کی توقعات کو بطریق احسن پورا کرے گا۔ نیز اسلامی سوشلزم دیگر ہر "ازم" اور "ئیت" سے بلند تر ہوگی۔ کیونکہ اور کوئی آئیڈیالوجی بھی ظاہراً یا باطناً اسلام کے مقابلے میں بلند پایہ یا ارجمند نہیں ہو سکتی۔ آئین سازی کے مہمات مسائل کا حل یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ تمام دنیا بالخصوص ممالک اسلامیہ کے آئین کو دیکھ لیا جائے اور ان کی ارتقا یافتہ صورتوں کی جملہ خوبیوں کو جمع کر لیا جائے برطانیہ، فرانس، امریکہ، سوئٹزرلینڈ، روس اور دیگر مستعمرات (خود پاکستان بھی تو ایک مستعمرہ ہے) کے آئین خصوصیت سے پیش نظر

رکھنے چاہئیں۔ مقابلہ کے لئے ہندوستان کے آئین کو بھی خاص طور پر پاکستانی مجلس دستور ساز کو سامنے رکھنا چاہئے۔ لیکن اس دستوری کاوش اور تفحص میں پاکستان کو ان مذہبی اور اخلاقی تقاضوں کو فراموش نہیں کر دینا چاہئے جو انسانی اور بین الاقوامی معاملات میں علی اقدار رہا کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ پاکستان کے اپنے خصوصی اور جداگانہ مسائل ہیں، مثلاً اس کے دو حصے ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہیں، اس کے باشندے متفرق گروہوں پر مشتمل ہیں اور ان میں اہم اقلیت آباد ہے جو بے خود مختاری اور لسانی تقسیم کے طالب ہیں، عوام کا عمومی مطالبہ ہے کہ قومی زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھالا جائے، اور اقلیتوں کو خدشہ ہے کہ مستبد اکثریت کے ہاتھوں ان کے حقوق پامال ہو جائیں گے۔ قومی زندگی کے ان پہلوؤں کا مناسب لحاظ کئے بغیر اسلامی عدل عمرانی، مساوات اور اخوت کے قالب میں کوئی آئین اس وقت تک نہیں ڈھالا جا سکتا جب تک کہ غیر مبہم طور پر یہ وضاحت نہ کر دی جائے کہ ایک منصفانہ اور جدید آئین جو مختلف احزاب قومی کے نزدیک قابلِ قبول ہو، صرف اسلام کے ان **اساسی اصولوں** پر استوار ہو سکتا ہے جن کی کارفرمائی نے ماضی کو اس قدر درخشندہ بنایا، نہ کہ ان تفصیلات اور نام نہاد اسلامی بدعات پر جو اس رجعت پسند گروہ کے فرسودہ دماغ کی پیدا کردہ ہیں جس نے آگے کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر اقلیتیں اپنے تحفظ کی خاطر اسلامی نظامِ مملکت کے اساسی اصولوں ہی کے نفاذ کا مطالبہ کریں تو ان کا یہ مطالبہ بالکل معقول ہوگا۔ اگر وہ خود جرأت اور کشادہ ظرفی کا ثبوت دیں اور اس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے لئے عمرانی عدل اور مساوات کے مواقع پیدا کر لیں تو اس مساوات کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک معمولی مزدور کا لڑکا بھی صدر بننے کا مستحق ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی ذہنیت ایسی سوزوں کر لیں جو اس نئی فضا سے مطابقت پیدا کرے جس نے ملت پاکستانیہ کو ایک بنا نقطہ نظر عطا کر دیا ہے اور جو ہیئتِ اجتماعیہ اور حیاتِ قومی کی تشکیل نو میں مصروف ہے۔ یہ روش اور یہ مطالبہ یقیناً ان کے حق میں مفید ہوگا اور اس سے ان کے حق میں بیش از بیش فوائد مرتب ہوں گے کیونکہ اسلام جو درجہ انھیں عطا کرتا ہے وہ کسی اور نظام یا آئیڈیالوجی میں انھیں حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسلام کا تصورِ مملکت بالکل سیدھا سادہ ہے اور اس کا صحیح تصور قرآن کے اصول و احکام اور رسول اکرم کی حیاتِ طیبہ سے ہی قائم ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے معاشرتی اور سیاسی نظام کی تاریخ بڑی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ہے۔ رسول اکرم کے زمانہ سے کہ عربی معاشرت اور ہمسایہ ممالک کی زندگی کو انھوں نے پہلے پہل متاثر کیا، عہدِ حاضر تک اس تاریخ نے تدریج و ارتقا کے معرکہ آرا دور دیکھے۔ مسلم اقوام نے بحر دیگر اقوامِ مغرب میں بحر اوقیانوس کے کناروں سے لیکر مشرق میں بحر الکاہل تک خوب کارہائے نمایاں دکھائے۔ یہ اسلام کے ترقی پسندانہ اور امید انگیز پیغام کا اثر تھا کہ اقوام مختلفہ مثلاً مراکشی، مصری، عرب، ترک، فارسی، افغان، ہندی، باوصف اختلافاتِ تہذیب و تمدن باہم مربوط و متحد ہوئیں اور انھوں نے بین الاقوامی نوعیت کے ایک ایسے ادارے کی تخلیق کی جو بیک وقت اقوامِ عالم کا فوجی نظام بھی تھا اور نظریاتی تحریک بھی۔ اس ارتباط و اتحاد نے دنیا کی تہذیب و تمدن کو ایک نیا پیکر بخشا اور اس پیکر کو نئے خط و خال

عطا کئے۔ اسلام اور اہل اسلام صدیوں تک عصری روح کے حقیقی مظہر رہے۔ اقوام کا یہ اختلاط و تحزب براہ راست نتیجہ تھا روح اسلامی کی قوتِ انجذاب کا اور اسلامی اخلاق کی اساسی اقدار کا جنھیں اسلام نے پیش کیا اور دنیا بھر میں رائج کیا۔ کرۂ ارض پر تہذیب کی رفتار ترقی اسلام ہی کی شرمندۂ احسان ہے۔ اسلامی تعلیمات کی کشادہ نگہی، اسلام کی علم پروری اور اس کا ہر قسم کے لوگوں کا معاشرتی درجہ بلند کرنے کا عزم بالجزم، یہ سب اسلام کے قوائے محرکہ اور اس کا خصوصی امتیاز رہے ہیں۔ اسلام کے معنی ہی "اللہ کی مشیت کے تابع ہو جانا" ہے۔ اسلامی اصول و اعمال کا سرچشمہ وحی خداوندی یعنی قرآن ہے اور سیرۂ رسول۔ اسلام کے اصول سادہ اور عالمگیر ہیں۔ مذہبی اصول و اعمال کے دو مستند ذرائع قرآن اور حدیث ہیں۔ اجماع اور قیاس دو اور سرچشمے ہیں بالخصوص سنیوں کے نزدیک۔ لہٰذا اسلامی سٹیٹ کے تصور کو قرآن اور حدیث تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ اجماع اور قیاس سے انسانی تجربات کی روشنی میں ان اصولوں کی مزید تشریح و توجیہ کی جا سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے متفرق دوروں میں علمائے اسلام نے نہایت کامیابی سے اجماع اور قیاس کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً فقہ کے چاروں مختلف گروہ مختلف مسائل کو مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہر زاویۂ نگاہ کے قاضی اور مفتی اپنے اپنے دور میں اس کے مدعی اور ترجمان رہے ہیں اور ہر زاویۂ نگاہ مختلف ممالک میں مختلف زمانوں میں مقبول یا رائج رہا ہے۔ یہ صورت ترکی میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں خصوصی اہمیت اختیار کر گئی جبکہ علمائے فقہ حکومت کے معتمد علیہ بن گئے اور انھوں نے قوم کی مفید خدمات سرانجام دیں۔ لیکن دنیائے اسلام میں ان کا مقام عیسائی پادریوں کے برابر بالکل نہیں ہو سکتا۔ وہ از رہ قدامت پسندی بیرونی اثرات کی مدافعت کرتے تھے اور یہ کارگزاری ایک حد تک مفید تھی۔ لیکن جب بیسویں صدی میں ترکی کے سامنے نئے مسائل آ گئے اور اس کیلئے زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو گیا تو یہ گروہ بہ حیثیت گروہ اس کا ساتھ بالکل نہ دے سکا۔ ہماری تاریخ میں خالص آئینی معاملات کے برعکس مذہبی امور میں جس ترقی پسندانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا اس نے عمومی ترقی اور کشادہ زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس کا اندازہ ابوالحسن اشعری کے فکر اور تصنیفات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو دسویں صدی میں گزرا اور جو اس فرقۂ معتزلہ کا مشہور رکن تھا جس نے عقائد مذہبی کی معقول تائید و تعبیر کی طرح ڈالی۔ ابوالحسن سے پیشتر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں معقولیت کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ نظر و فکر اور بود و باش میں معقولیت پسندانہ نظریہ تشکیل پذیر ہوتا چلا آ رہا تھا لیکن اب مذہب کو علم کلام سے بھی متعارف کرایا جا رہا تھا۔ اس سے ایک نئی فضا پیدا ہوئی جس نے ممالک اسلامیہ کی معاشرتی اور معاشی زندگی میں مادی فکر کی راہیں کھول دیں۔ مسلمان فلاسفہ میں کئی مکاتب فکر تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی معتزلہ جیسی اہمیت اختیار نہیں کر سکا۔ معتزلہ کا بانی واصل ابن عطا تھا جس نے اپنے استاد حسن بصریؒ سے علیحدہ ہو کر ایک جداگانہ مکتب فکر کی طرح ڈالی جس نے آئندہ سلاطین و مفکرین پر گہرا اثر ڈالا۔ اس پس منظر میں ہمیں علوم جدیدہ کی مدد سے مستقبل کا جائزہ لینا چاہیے اور اپنی زندگی اور مسائل مختلفہ مثلاً پاکستانی

آئین کی تدوین کو مبنی بر معقولیت بنا لینا چاہیئے تاکہ دنیا کو بتایا جا سکے کہ اسلام ایک زندہ قوت ہے اور اہلِ اسلام ایسے جدت پسند، ترقی خواہ اور کشادہ نظر ہیں کہ وہ اسلام کی روشنی میں اپنے مقامی اور بین الاقوامی مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں اور قومی ارتقاء کے تاریخی عمل کا ساتھ دے سکتے ہیں۔

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے تصورات کا جیسا کہ آج ہم ان کو حالات حاضرہ کے پس منظر میں دیکھ سکتے ہیں، تذکرہ کریں۔ ان میں خصوصیت سے قابلِ ذکر خلافت ہے جو رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حکومت کے اساسی ادارہ کی حیثیت سے معرض وجود میں آئی اور ترک سلطان عبدالحمید کے زمانے تک باقی رہی۔ یہ ادارہ دنیائے اسلام کیلئے خاص سیاسی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جوں جوں زمان و مکان کے حالات بدلتے گئے ہیں یہ ادارہ بھی ان کے ساتھ مطابقت کرتا گیا اور اس میں اہم تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کر دینا چاہیئے کہ خلافت کا آغاز ایک معاشرتی اور مذہبی ادارہ کی حیثیت سے ہوا لیکن بعد میں اسے یہاں تک بدل دیا گیا کہ یہ عملاً قریباً ایک دنیاوی (Secular) ادارہ بن گیا جس نے کامیابی سے دوسرے حکومتی شعبوں، مثلاً وزارت، دیوان، جاگیر داری اور لشکر کا ساتھ دیا۔ خلافت کا انصرام ایک خلیفہ یا امیر کے سپرد تھا اور وہ بادشاہت کے ہم پایہ تھی۔ اپنے دور میں یہ ضرور مفید ثابت ہوئی۔ قرون وسطیٰ بالخصوص عباسی عہد میں اس کی حیثیت بڑی نمایاں رہی لیکن اس صدی میں سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ انقلابی ترکوں نے آخری خلیفہ کو بلا تکلف معزول کر دیا۔ اس وقت سے خلافت کا تصور ریاست ہائے اسلامیہ کے ایک روشن پہلو کے طور پر خیال انگیز تو ضرور چلا آ رہا ہے لیکن دنیائے اسلام میں اب ایسے لوگ شاذ ہی ملیں گے جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ خلافت کو پھر سے زندہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے پھر وہی مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے جس کیلئے یہ کبھی معرض وجود میں آئی تھی۔ لہٰذا پاکستان میں تصورِ خلافت کو خواہی نخواہی تدوین آئین سے وابستہ نہیں کر لینا چاہیئے البتہ بحیثیت ایک اصول کے قرآن اور اقوال رسول اللہ صلعم کی مدد سے اس تصور کی آزادانہ تعبیر و توجیہہ کی جا سکتی ہے۔ مسلم سٹیٹ میں اقتدار اللہ، رسول، صاحب امر اور ان اصحاب کیلئے ہے جنہیں صاحب امر شریک مشورہ کرے۔ اس سے ہمیں جمہوریت سے آئین اسلامی کے اساسی اصولوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ہر وہ دستور جو ترقی پسندانہ اور وسیع النظر ہو، باشندگانِ پاکستان کے معاشی اور عمرانی ترقی کے لئے سازگار ہو اور اخلاق اسلامی سے مطابقت رکھتا ہو وہ پاکستان جیسے مسلمان ملک کیلئے مناسب اور قابلِ عمل دستور کا مقصد پورا کر سکتا ہے۔ ایک مسلم سٹیٹ میں دستوری قانون کو اسلامی قانون یعنی شریعت سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ شریعت کا دائرہ اثر کسی مغربی لادینی دستور سے کہیں وسیع ہے کیونکہ یہ زندگی کے تمام شعبوں مثلاً حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق النفس پر حاوی ہونے کا دعویٰ ہے۔ یہ واقعی ایک ضابطہ فرائض ہے جو اخلاقی، قانونی، مذہبی تمام فرائض پر مشتمل ہے۔ یہ محض پرہیزگار مسلمانوں کی انفرادی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ نکاح، طلاق، وراثت کے قوانین بھی متعین کرتا ہے اور ضابطہ فوجداری

بھی عطا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت بیک وقت معاشری ضابطہ بھی ہے اور اس اعتبار سے اس کو اس دیوانی یا فوجداری دستوری قانون سے بآسانی متمائز کیا جاسکتا ہے جس کا تصور آجکل پایا جاتا ہے۔ متفرق داعیوں کے نزدیک اسلامی قانون کی ترقی وارتقا کی عمومی صورت قدرے مختلف رہی ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک نے معقول اور تاریخی تفسیر کے چند مخصوص قواعد پر ضرور عمل کیا ہے۔ ان کی اساس ان بنیادی آیاتِ قرآنی اور اقوال رسول کریمؐ پر رہی ہے جن کی آج بھی قانونی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حیثیتوں سے قرآن اور حدیث کے مسلمہ اصول تفسیر کی رو سے تشریح ہو سکتی ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی یعنی قانون اسلامی کے چاروں فقہی مکاتب نے دنیائے اسلام کی ترقی میں بیش از بیش حصہ لیا ہے لیکن اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ کسی ایسے مکتب یا گروہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی جو اقتضائات وقت کا ساتھ دے اور آج کے مسائل کا حل اس طرح بتائے کہ اصول اسلامی کی نئی تعبیر کی ضرورت بھی درپیش نہ آئے اور اسے بھی پیش نظر رکھا جا سکے کہ ماضی میں انہی حالات کے ہوتے ہوئے کیسے انہی اصولوں سے مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا گیا۔ پاکستان کا تدوین آئین کا مسئلہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ تدوین آئین کی مساعی میں ایسے نازک اور لطیف اصولوں کو درمیان میں نہیں لانا چاہئے جو موثر طریق سے آئین سازی کے کام ہی نہ آسکیں۔ کیونکہ آئین کو رفاہ عامہ کیلئے ایک قابل عمل ضابطہ ہونا چاہئے اور اسلام انسان کی انفرادی مساعی اور کارگذاری کے لئے بہت کچھ باقی چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً اقتدار خداوندی کا اصول نہایت نازک اور لطیف ہے اور اسے قانونی حیثیت دیکر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی دلیل حضرت علیؓ نے دی تھی جب خارجیوں نے ان کے سامنے "ان الحکم الا للہ" کا حوالہ دیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کچھ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ مجلس دستور ساز سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ خدائی حاکمیت کا اعلان کردے اور آئین سازی کے کام میں اپنے آپ کو اللہ کا خلیفہ یا نائب قرار دے جیسا کہ بعض حلقوں سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ناقابل فہم ہے کہ مجلس دستور ساز سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ قانون بنا کر لوگوں کی عادات، رسومات، فیشن، طریقے، لباس، چال، ڈھال کے طریقے متعین کردے۔ یہ مسائل آئین کی حدود سے خارج ہیں۔ فلہذا کسی مقننہ سے بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ان مسائل پر توجہ دے اور انھیں کتاب قانون میں جگہ دے کیونکہ آئین سازی کا کام ایک مخصوص کام ہے جس کے خصوصی حدود و ضوابط ہیں۔ مثلاً یہ کہ صرف ایسے قوانین بنائے جائیں جو مفید ہوں اور مملکت، حکومت، عوام اور مملکت کے متفرق شعبہ ہائے حیات کے لئے ایسے ضروری ہوں کہ ان کی ترقی سے انسانیت کا بہترین مفاد وابستہ ہو۔ وہ حکومت کی انتظامی مشینری کو اعلیٰ طریق سے چلانے کے ضامن ہوں، وہ متفرق طبقات و احزاب قومی کے باہمی تعلقات کو معقول بنیادوں پر استوار کر کے خوشگوار بنائیں اور باہمی استحصال کو اقل قلیل بنا دیں۔ ایک مملکت یہ سب کچھ حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کا دستور معقول ہو جو مساوات، عمرانی عدل اور معاشی خوشحالی کا ضامن ہو۔ ہر ایک کی مساوات کے اساسی اصول کا اعتراف کرے اور رنگ، عقیدہ اور نسل کے بتوں کو توڑ کر ایسی صحت مند فضا پیدا کرے جو ایسی خوشحال قوم کی تشکیل میں منتج ہو جس کا مطمح نظر بقائے امن ہو اور جو بین الاقوامی میدان میں خوشگوار تعلقات کو فروغ دے۔ اس کیلئے

ضروری ہے کہ سیاست کی بنیاد دیانت پر رکھی جائے تاکہ بین الاقوامی امن میں مدد ہو۔ اس فضا کا حصول جبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ خیر کی ترویج کی جائے اور شر کا، جس نے ایک عالم کو مبتلائے آلام کر رکھا ہے، استیصال کیا جائے۔ اسلام کے یہ اساسی اصول پیش نظر ہوں تو تدوین آئین کا مسئلہ محض اصطلاحی اور رسمی رہ جاتا ہے۔

کانسٹی ٹیوشن کے لفظ کا اطلاق، قانونی لیکن وسیع مفہوم میں ان اوامر و احکامات پر ہوتا ہے جنھیں عرف عام میں عوام کے بنیادی حقوق کی آئینی شکل قرار دیا جاتا ہے، نیز ان احکامات و ضوابط پر بھی جنہیں حکومت معاشرہ اور نظم سیاسی سے براہ راست متعلق ہونے کی وجہ سے نافذ کرتی ہے۔ بعض اوقات کسی حکمران کے قانون کو بھی کانسٹی ٹیوشن کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ لفظ پہلے پہل انگلستان میں اٹھارہویں صدی میں رواج پذیر ہوا۔ اس وقت یہ بصیغہ واحد استعمال ہوتا تھا اور اس کا ایک حد تک خاص تجریدی مفہوم تھا۔ بعد میں آج کی طرح اس کا مفہوم یہی نہیں رہ گیا کہ یہ ایک قانون یا مجموعۂ قوانین ہے" بلکہ سارے کا سارا سیاسی معاشرت کا ڈھانچہ، اس کے قوائے مقننہ و منتظمہ اور ان کے فرائض اور محکوم اور مملکت کی ہیئت حاکمہ کے باہمی حقوق و فرائض" مختلف ممالک میں اس لفظ کے مفہوم قدرے مختلف ہیں بقول چیسٹر فیلڈ دنیا میں انگلستان ہی ایک ایسی بادشاہت ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کا آئین بھی ہے۔ اس کے برعکس . . . De Tocqueville نے ایک صدی بعد اعلان کیا کہ انگلستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کا بالکل کوئی آئین نہیں۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ انگلستان کا کوئی بنیادی قانون نہیں، نہ اس کے پاس ایسا کوئی تحریری مختارنامہ ہے جس کی رو سے مقننہ اور منتظمہ کی تشکیل، تنظیم اور تعیین ہو سکتی ہو اور مخصوص اختیارات ان کے سپرد کئے جا سکتے ہوں۔ دیگر ممالک کے برعکس انگلستان کے پاس ایسا کوئی وثیقہ نہیں۔ انگلستان میں بادشاہ کے اختیارات کا استعمال قانونی عدالتوں اور پارلیمان کی نگرانی کے تحت ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے کانسٹی ٹیوشن کی بعض اوقات یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ ایسے قانونی اصول ہیں جو آمرانہ اختیارات کی تحدید کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک میں بادشاہ قانون سے بلند تھا، اسی لئے فرانس میں ۱۷۸۹ء میں انقلاب کی ضرورت درپیش آئی جس نے رائج الوقت سیاسی نظام کا خاتمہ کر دیا اور ایک نئی ہیئت مقننہ کی تشکیل کی جسے تحریری آئین تیار کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہی صورت امریکہ میں پیدا ہوئی۔ وہاں اقتدار اعلیٰ کے مقابلہ میں قومی حقوق محفوظ کر لئے گئے اور اقتدار جمہور یا جمہور کے ان نمائندوں کے پاس چلا گیا جو ان کے متفرق طبقات و مفادات کی نمائندگی کرتے تھے۔ تقسیم و انتقال اقتدار کا طریقہ ہر آئین میں مختلف ہوتا ہے اور اس کا ڈھانچہ حکومت کے مقابلہ میں جمہور کے سیاسی حقوق کی تعیین کے مطابق ہوتا ہے۔ آئین وراثتی ہوتا ہے یا وفاقی۔ اس کا دارومدار ان ذرائع و طرق پر ہوتا ہے جو معاشرت کو ایک قابل عمل نظم حکومت عطا کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔

انگلستان میں "کانسٹی ٹیوشن" کے تحت قانون عامہ بھی آتا ہے اور اس حد تک ضابطہ آئین بھی جس حد تک وہ شاہ کے اختیارات اور ان کے مقابلہ میں جمہور کے حقوق اور ان کے رسمی استعمال سے متعلق ہے۔ لہٰذا انگلستانی "کانسٹی ٹیوشن" بہت حد تک اپنے اس

قانون عامہ اور رسم و رواج پر مبنی ہے۔ جس پر معاشرتی ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ مقننہ کا اختیار "شاہ بشمول پارلیمان" کو حاصل ہے اور منتظمہ کا "شاہ بشمول کونسل" کو۔ ان میں سے کسی ایک شعبے کو دوسرے شعبے سے کوئی سروکار نہیں۔ ایک عام شہری ہیس کارپس کی رو سے عدالت میں مقدمہ چلائے جانے اور ہر شاہی ملازم کے خلاف اس کے مجرمانہ اعمال کے صلہ میں قانونی چارہ جوئی کے حقوق کے استعمال سے اپنی آزادی کی حفاظت کرتا ہے۔

تحریری دستور کے، جیسا کہ امریکہ اور فرانس کا ہے، اپنے فوائد ہوتے ہیں۔ لیکن ایک تو یہ اعلیٰ درجے کے ترقی یافتہ معاشرہ کو مستلزم ہے اور دوسرے ملک (Rigid) ہو جاتا ہے اور لچکدار نہیں رہتا۔ غیر تحریری آئین کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت اور نظام معاشرت ارتقائی قوی کی بدولت ترقی پسند کل بن جاتے ہیں۔ عملاً دونوں صورتوں میں نمایاں فرق نہیں ملے گا۔ دراصل سارا دارومدار تو اس امر پر ہے کہ دستور مقننہ کو کیسی تشکیل دیتا ہے اور کیسے ایک اعلیٰ عدالت کی گنجائش رکھتا ہے جو دستوری امور و نکات اور ان قوانین کی توجیہ کرے جو اس مقننہ میں منظور ہوں۔ نیز منتظمہ اور عدالت کی کارفرمائی حکومت کے جداگانہ اور آزاد دوائر کی حیثیت سے ہو۔ ظاہر ہے کہ دستوری قانون قانون کی ایک متمائز شاخ ہو جاتا ہے۔

اب پاکستان کو ایک تحریری دستور تیار کرنے کا جو موقع ملا ہے تو بدیہی طور پر اسے یہ موقع میسر آگیا ہے کہ ملک کے موجودہ حالات و کوائف کے مطابق مکمل اور معقول دستور تیار کرے۔ مجلس دستور ساز کو چاہئے کہ وہ ان تبدیلیوں کو خصوصیت سے نگاہ میں رکھے جو مطالبہ پاکستان سے واقع ہوئی ہیں بالخصوص اس وعدہ کی وجہ سے کہ پاکستان کا آئین اسلامی سوشلزم پر مبنی ہوگا۔ پاکستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور نئے معاشی لائحہ عمل سے متفرق طبقاتِ پاکستان میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں جس سے محنت کشوں اور سرمایہ داروں کا بُعد ختم ہو جائے گا۔ اسلامی سوشلزم سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ملک کو وسیع پیمانہ پر صنعتی بنائے گی اور زمام صنعت محنت کشوں کے سپرد ہوگی۔ وہ محدود حد تک زمینداری کا بھی خاتمہ کرے گی تاکہ کاشتکار ایک ترقی پذیر گروہ کی حیثیت سے صحت مند زندگی گذار سکیں۔ پاکستان میں جہاں ملکیت کے حق کا احترام کیا جائے گا وہاں اسے تجارت میں اصول عدم مداخلت کو اس حد تک ضرور بدلنا پڑے گا کہ جس سے محنت کشوں کے حقوق کا مناسب تحفظ ہو سکے۔ یہ کچھ اس وقت ممکن نہیں ہوگا جب تک جملہ اختیارات مابقی مرکزی حکومت کے سپرد نہ کر دیئے جائیں تاکہ وہ نئے معاشی لائحہ عمل کا نفاذ کر سکے۔ اس نئے لائحہ عمل میں قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ کو اس انداز سے جذب کر لینا ہوگا کہ وہ کل معاشرہ کا مفید جزو بن جائے کیونکہ جو لوگ کام نہیں کرتے سٹیٹ ان کی کفالت پر مکلف نہیں۔ تعلیم یافتہ اور ذی شعور گروہ نے ہمیشہ اقوام کی تشکیل و تعمیر نو کی ہے لیکن ہمارے ملک میں یہ نام نہاد طبقہ اس تاریخی فریضہ کو ادا کرنے سے اب تک قاصر رہا ہے۔ چنانچہ نہ افزائش دولت میں اضافہ ہو سکا ہے نہ استحصال میں کمی۔ مسودہ دستور کا نمایاں اور خصوصی امتیاز یہ ہونا چاہئے کہ جن کارناموں کو جو پاکستان نے سرانجام دیا ہے ان کا قانونی اعتراف ہونا چاہئے یعنی یہ کہ پاکستان نے اپنے آپ کو بطور آزاد مسلم سٹیٹ قائم کیا ہے

جو جمہوری سٹیٹ کا پیکر اختیار کرتا جائے گا اور اس کی اساس اسلامی آئیڈیالوجی اور اسلامی سوشلزم پر استوار ہے۔ نئی سٹیٹ ایک ایسے عمرانی نظام کی تشکیل کرے گی جو انسانی حقوق میں مساوات برقرار رکھے اور انسانوں کو قانون پر کاربند کر کے ان کے مابین معاشرتی عدل قائم کرے۔ یہ ایسی سٹیٹ ہوگی جس میں مزدور طبقہ کا استحصال ناممکن ہوگا اور سرمایہ داری کی آمریت محال۔ آئین مالکانہ حقوق . . . (Vested interests) کو محض نظر انداز نہیں کرے گا بلکہ پاکستان کے طبقات ادنیٰ کے لئے کشود زندگی کی جملہ راہیں بالکل کھول دینا ہوں گی۔ انہی طبقات نے جنگ پاکستان لڑی ہے اور اب یہی استحصال اور مستحصلین کے خاتمہ کے طالب ہیں تاکہ ایسا ہو کہ ہر ایک کو پورے پورے مواقع میسر آسکیں، نہ کہ ایسا کہ صرف چند افراد منتخبہ ہی بہرہ مند ہوتے رہیں۔ فلہذا نئے آئین کا فریضہ اس نظام معاشرت کی تشکیل ہوگا جس کا عمومی مطالبہ پاکستان کے عوام المسلمین کر رہے ہیں جنہوں نے پاکستان کی خاطر صعوبات برداشت کی ہیں اور پاکستان اور اسلام کے لئے بیش از بیش قربانیاں دی ہیں۔ اسلام ان کی آئیڈیالوجی ہے اور پاکستان اس آئیڈیالوجی کی عملی تعبیر۔ اسلامی سٹیٹ سے ان کا مفہوم وہ صحیح معنوں میں جمہوریت ہے جو ایک آزاد ملک کے آئین پر کسی قسم کے امتیازات یا تحدیدات کی پابندی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

مثلہ معہٗ

عنوانِ بالا کے تحت جو مقالہ سابقہ اشاعت میں شائع ہوا ہے اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا تھا:

اکتوبر ۱۹۵۰ء کے طلوع اسلام میں حسب ذیل شذرہ قارئین کی نگاہ سے گذر چکا ہے

اس کے بعد اکتوبر ۱۹۵۰ء کے طلوع اسلام کے اس شذرہ کو درج ہونا چاہئے تھا جو اس اشاعت کے صفحہ ۴۶ پر شائع ہوا تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ سہواً اس شذرے کا صرف ایک ٹکڑا ہی درج ہوا اور پورا شذرہ درج ہونے سے رہ گیا۔ لہذا قارئین سے التماس ہے کہ وہ طلوع اسلام بابت اکتوبر ۱۹۵۰ء کے صفحہ ۴۶ والے شذرے اور جنوری ۱۹۵۱ء میں شائع شدہ مقالے معنون بہ "مثلہ معہٗ" کو ایک ساتھ ملا کر پڑھیں۔

مدیر طلوع اسلام

المیزان

طلوع اسلام بابت دسمبر ۱۹۵۰ء میں مجوزہ المیزان لمیٹڈ کے متعلق میری طرف سے تعارفی اعلان شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ملک کے مختلف حصوں سے اس اسکیم کے متعلق متعدد استفسارات موصول ہوئے ہیں جن کا انفرادی جواب مشکل ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ان استفسارات کا جواب طلوعِ اسلام کی وساطت سے دیا جائے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے

اس کمپنی کا مقصد اس قسم کا لٹریچر شائع کرنا ہے جو قرآنی فکر کو عام کرے۔

بعض حضرات نے پوچھا ہے کہ کیا کمپنی معرّا یا باترجمہ قرآن کریم شائع کریگی۔ سو عرض ہے کہ ملک میں قرآن کریم چھاپنے والے بہت سے ادارے موجود ہیں۔ المیزان کے پیش نظر ایسا لٹریچر شائع کرنا ہے جو قرآنی تعلیم کو عام کرے۔ مثلاً ہماری درخواست پر محترم پرویز صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ معارف القرآن اور اپنی دیگر تصانیف کی نشر و اشاعت کا کام المیزان کے سپرد کر دیں گے۔ المیزان کا ارادہ ہے کہ معارف القرآن کی اشاعت انسائیکلوپیڈیا کے انداز سے کرے اور اسے کم از کم قیمت پر اس طرح شائع کرے کہ مسلمانوں کا عام طبقہ اس سے مستفید ہو سکے۔ اسی طرح وہ محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کی دیگر تصانیف کی عام اشاعت کا بھی انتظام کریگی۔ نیز قرآنی فکر کے مطابق لکھنے والے دیگر مصنفین سے بھی بلند پایہ عنوانات پر کتابیں لکھوا کر شائع کرنے کا بندوبست کرے گی۔

اس کے پیش نظر یہ بھی ہے کہ دیگر زبانوں (بالخصوص عربی) میں جو اعلیٰ درجہ کی کتابیں اسی نہج پر شائع ہوں ان کے تراجم یہاں شائع کئے جائیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے المیزان کے پیش نظر یہ بھی ہے کہ

(۱) ایک اعلیٰ درجے کا اردو روزانہ اخبار شائع کیا جائے جو مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ سے متعلق جملہ مسائل پر خالص اسلام کی روشنی میں بحث کرے اور ان کی فکر کو عام بازاری سطح سے اونچا لے جائے۔

(۲) اس روزنامہ کے ہفتہ وار ایڈیشن عربی اور فارسی میں بھی شائع کرے۔ نیز اسلامی ممالک کے اخبارات و رسائل کے مناسب تراجم اپنے ہاں شائع کرے اور اس طرح اس رابطہ کو استوار کرے جو دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ہے۔

(۳) ایک انگریزی ہفتہ وار جریدہ بھی شائع کرے تاکہ اقوام یورپ کو بتایا جا سکے کہ جن مشکلات میں دنیا آج کل گرفتار ہے اُن کا حل قرآن کیا پیش کرتا ہے۔

(۴) ایک ماہوار رسالہ اس انداز کا شائع کیا جائے جس میں اہم علمی اور عملی مسائل پر قرآن کی روشنی میں بحث کی جائے۔ ہم

طلوعِ اسلام کے ارباب حل وعقد سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ طلوع اسلام کو بھی امانتاً المیزان کے سپرد کر دیں تاکہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت ایک ہی مرکز سے ہو سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان مقاصد کے لئے، علاوہ ان حضرات کے جو اپنی اپنی جگہ اس انداز کی تصنیف و تالیف کا کام کریں، مرکز میں بہت سے اہلِ فکر اور اہلِ قلم حضرات کی ضرورت ہوگی۔ اس کیلئے ہم چاہتے ہیں کہ ان تمام حضرات کو جو قرآنی نہج پر سوچنے اور لکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن اس وقت ملک میں بکھرے پڑے ہیں یا معاشی مشکلات کی وجہ سے دیگر کاموں میں پھنسے ہوئے ہیں، انھیں اس مرکز میں جمع کر دیا جائے تاکہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر اس عظیم مقصد کے حصول کیلئے مشترکہ جدوجہد کریں۔

یہ ہیں ہمارے عزائم لیکن ہم نے طے کیا ہے کہ حصص اس وقت الاٹ کئے جائیں جب دو لاکھ روپے یا اس کے قریب قریب حصوں کے لئے درخواستیں موصول ہو جائیں۔ سردست جتنی درخواستیں موصول ہو رہی ہیں، ہم انھیں ریزرو رکھے جا رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اتنے حصے، ہماری منشاء کے مطابق فروخت نہ ہو سکے تو پھر ہم کاروبار شروع ہی نہیں کریں گے اور ہر قسم کی موصول شدہ رقم واپس کر دی جائے گی۔

حصوں کی فروخت میں ہمارے پیش نظر معیار یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ان لوگوں کو حصے دیدیئے جائیں جو محض تجارتی نقطہ نگاہ سے اس میں شرکت چاہتے ہیں، ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک کیا جائے جو ہمارے مقصد سے متفق ہوں اور اسے زندگی کا مشن سمجھ کر اس میں شریکِ کار ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس معیار کے مطابق شریک ہونے والے لوگ متوسط طبقہ کے ہوں گے جو زیادہ حصص نہیں خرید سکیں گے۔ لہٰذا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شریک ہونے والے حضرات کی تعداد بڑھا دی جائے۔

ایک حصہ کی قیمت سو روپیہ ہے۔ پچیس روپے فی حصہ درخواست کے ساتھ آنا ضروری ہے۔

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس کاروبار میں شرکت اچھی چیز ہے تو پچیس روپیہ فی حصہ کے حساب سے، روپیہ بذریعہ کراس چک ذیل کے پتہ پر ارسال فرما دیں۔ اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو میمورینڈم اوف آرٹیکلز کی مطبوعہ کاپی، ایک روپیہ بھیجکر منگا لیں۔

آپ کے حصوں کی رقم ہمارے پاس بطور امانت رہے گی اور اگر حصے فروخت نہ کر سکنے کا فیصلہ ہوا تو رقم واپس بھیجدی جائے گی۔ والسلام

(ڈاکٹر) اے حمید
مینیجنگ ایجنٹ۔ المیزان لمیٹڈ
معرفت جنرل ہومیو اسٹورز۔ آرام باغ روڈ۔ کراچی۔

المیزان

محترمی۔ سلام مسنون۔ ذیل کا خط طلوع اسلام میں شائع فرما کر شکر گذار فرمائیں۔

المیزان لمیٹڈ کے متعلق طلوع اسلام میں اعلان شائع ہونے کے بعد بہت سے احباب نے اس مجوزہ ادارہ کی نسبت میری رائے دریافت کی ہے تاکہ وہ اس میں شرکت و عدم شرکت کا فیصلہ کر سکیں۔ میں شکر گذار ہوں کہ انھوں نے میری رائے کو قابلِ اعتماد سمجھا ہے۔

اس قسم کے ادارہ کے متعلق رائے قائم کرنے کے لئے دو باتیں ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں کاروبار ہوگا ان کی دیانت اور حسن معاملہ کا کیا حال ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جو مقاصد ادارہ کے پیش نظر ہیں وہ کس قسم کے ہیں۔

اس ادارہ کے منیجنگ ایجنٹ میرے محترم دوست، ڈاکٹر حمید صاحب ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میرے مراسم بہت دیرینہ ہیں اور بہت گہرے۔ ان مراسم کی بنیاد خیالات کی ہم آہنگی ہے۔ یعنی وہی چیز جسے میں "قرآنی رشتہ" سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جو امانت ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں ہوگی اس میں کسی قسم کی خیانت کا احتمال تک بھی نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ان کا اپنا کاروباری تجربہ بڑا وسیع ہے اس لئے کاروباری نقطۂ نگاہ سے بھی ان کی فراست اور حسن تدبر پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

باقی رہے مقاصد۔ سو جس ادارہ کا "مقصد، خود ان کے اپنے الفاظ میں" اس قسم کے لٹریچر کی نشر و اشاعت ہے جو قرآنی فکر کو عام کرے" ظاہر ہے کہ اس ادارہ کو میری پوری تائید حاصل ہوگی، کہ یہ مقصد خود میری زندگی کا مقصد ہے۔

المیزان لمیٹڈ کے متعلق ڈاکٹر صاحب سے میری تفصیلی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس ادارہ کے پیش نظر مقاصد بروئے کار آ گئے تو یہ ہماری قوم کے قلب و نگاہ کی تبدیلی کے لئے ایک بہت بڑا ذریعہ بن جائے گا۔

میری دلی تمنا ہے کہ یہ ادارہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے وعدہ کر لیا ہے کہ اس ادارہ کے انتظامات مکمل ہو جانے پر میں معارف القرآن اور اپنی دیگر تصانیف بغرض نشر و اشاعت اس کے سپرد کر دوں گا۔

چہ کند بے نوا ہمیں دارد

مجھے امید ہے کہ ان سطور سے میرے ان احباب کا اطمینان ہو جائے گا جنھوں نے اس باب میں میری رائے دریافت فرمائی ہے۔ والسلام

پرویز

۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء

نشاناتِ منزل

اس وقت پاکستان کے سامنے اہم ترین مسئلہ تدوین آئین کا ہے۔ مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ انھیں ایسا خطہ ارض میسر آجائے جہاں وہ قرآنی نظام کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں۔ اب اس دعوے کو عملی شکل دینے کا وقت آگیا ہے — پاکستان کے خاکے میں رنگ بھرنے کا حق اس مصور سے بہتر کسے ہو سکتا تھا جس نے سب سے پہلے یہ خاکہ پیش کیا۔ پاکستان کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ وہ اقبال کی قیادت سے محروم رہ گیا۔ اگر آج اقبال زندہ ہوتے تو وہی اپنے تصور کو عملی شکل عطا کرتے۔ ملت کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی! اور اب ملت کی اس سے بڑھ کر اور کیا محرومی ہو سکتی ہے۔

ہر چند اقبال آج ہم میں موجود نہیں لیکن قلبِ ملت ان کے نورِ فکر سے آج بھی کسب ضیا کر سکتا ہے اور اس روشنی میں اس منزل کی طرف رواں دواں جا سکتا ہے جسے قرآن نے انسانیت کی منزل قرار دیا ہے۔ ذیل میں فکرِ اقبال کے بکھرے موتیوں کو ترتیب دیکر پیش کیا جا رہا ہے کہ یہی وہ نشانات ہیں جن سے ہم اپنی منزل کی سمت کا تعین کر سکتے ہیں۔ طلوع اسلام]

قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں!

عرشی صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ علامہ اقبال سے پوچھا کہ "خارج از قرآن ذخیرہ احادیث و روایات اور کتب فقہ وغیرہ کو شامل کر کے اسلام مکمل ہوتا ہے یا صرف قرآن اس باب میں کفایت کرتا ہے"۔ انھوں نے فرمایا "یہ چیزیں تاریخ و معاملات پر مشتمل ہیں۔ ان کی بھی ضرورت ہے اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ کن ضروریات کے ماتحت وضع کی گئیں۔ لیکن نفسِ اسلام قرآن مجید میں بکمال و تمام آچکا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا منشا دریافت کرنے کیلئے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں"۔ (البیان - دسمبر ۱۹۳۹ء)

مسلمانوں کا نصب العین

الفاظ شرفِ انسانی کے متعلق کسی کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ اسلامیات میں ان سے مراد وہ حقیقتِ کبریٰ ہے جو حضرتِ انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ سے ہے اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا منحصر ہے اس تڑپ پر جو توحیدِ الٰہی کے لئے اس کے رگ و ریشے میں مرکوز ہے۔ انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو، ایک لامتناہی سلسلہ ہے باہم آویزشوں کا، خونریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالمِ بشری میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن و سلامتی پر موسس ہو؟ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ توحیدِ الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسبِ منشاءِ الٰہی مشہود کرنا

انسان کا نصب العین قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبیر کا کرشمہ نہ سمجھئے، بلکہ یہ رحمت للعالمین کی ایک شان ہے کہ اقوام بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کر کے ایک ایسی امت کی تخلیق کی جائے جس کو امۃ مسلمۃ لک کہہ سکیں اور اس کے فکر و عمل پر شھداء علی الناس کا خدائی ارشاد صادق آسکے۔ (حسین احمد مدنی کے جواب میں۔ متعلقہ قومیت)

مسلمانوں کی قومیت کا مدار اسلام ہے

مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے، نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی۔ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لئے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کیلئے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنزیہی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھیلنے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائل مخصوصہ و شمائل مختصہ پر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان و مکان کی قیود سے مبرا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قوم عرب نے جس کے بطن سے اسلام پیدا ہوا اس کی پولیٹیکل نشوونما میں بہت بڑا حصہ لیا لیکن اسلامی علوم و فنون اور فلسفہ اور حکمت کے انمول موتیوں کے رولنے کا کام، اور یہ وہ کام ہے جو نفس ناطقہ انسانی کی اعلیٰ زندگی کے کارناموں سے متعلق ہے، زیادہ تر غیر عرب اقوام ہی نے سرانجام دیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کا ظہور قوم عرب کی زندگی کی تاریخ میں یزداں طلبی کی ایک آنی و عارضی جھلک ہونے کے لحاظ سے گویا برق کی چشمک تھی یا شرار کا تبسم تھا۔ لیکن اسلام کی دماغی توانائیوں کی جولانگاہ عرب نہ تھا بلکہ عجم تھا۔ پس چونکہ اسلام کا جوہر ذاتی بلا کسی آمیزش کے خالص طور پر ذہنی یا تخیلی ہے لہذا کیوں کر ممکن تھا کہ وہ قومیت کو کسی خارجی یا حسی اصول مثلاً وطن پر مبنی قرار دیا جائز تصور کرے۔ قومیت کا ملکی تصور جس پر زمانہ حال میں بہت کچھ حاشیے چڑھائے گئے ہیں، اپنی آستین میں اپنی تباہی کے جراثیم کے خود پرورش کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قومیت کے جدید تصور نے چھوٹے چھوٹے پولیٹیکل حلقے قائم کر کے اور ان میں رقابت کے اس صحیح القوام عنصر کو پھیلا کر (جس تمدن جدیدہ کی شاخ میں بوقلمونی پیوند لگایا ہے) دنیا کو تھوڑا بہت فائدہ ضرور پہنچایا ہے۔ لیکن بڑی خرابی اس تصور میں یہ ہے کہ اس میں غلو اور افراط کا شاخسانہ نکل آتا ہے۔ اس نے بین الاقوامی نیتوں کی نسبت غلط فہمی پھیلا رکھی ہے۔ اس نے پولیٹیکل سازشوں اور منصوبہ بازیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس نے فنون لطیفہ اور علوم ادبیہ کو خاص خاص قوموں کی خصوصیات کی میراث قرار دے کر عام انسانی عنصر کو اس میں سے نکال دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وطن پرستی کا خیال جو قومیت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ایک طرح سے ایک مادی شے کا تالیہ ہے جو سراسر اصول اسلام کے خلاف ہے، اس لئے کہ اسلام دنیا میں ہر طرح کے شرک خفی و جلی کا قلع قمع کرنے کیلئے نمودار ہوا تھا۔ لیکن اس سے یہ گمان نہ کیا جائے

کہ میں جذبۂ حب وطن کا سرے سے مخالف ہوں۔ ان قوموں کیلئے جن کا اتحاد حدود ارضی پر مبنی ہو اس جذبہ سے متاثر ہونا ہر طرح سے حق بجانب ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کے طرزِ عمل کا یقیناً مخالف ہوں جو اس امر کے معترف ہونے کے باوجود کہ جذبہ حب وطن قومی سیرت کا ایک قیمتی عنصر ہے، ہم مسلمانوں کی عصبیت کو نام دھرتے ہیں اور اسے وحشیانہ تعصب کہہ کر پکارتے ہیں۔ حالانکہ ہماری عصبیت ایسی ہی حق بجانب ہے جیسی ان کی وطن پرستی۔ عصبیت سے بجز اس کے اور کچھ مراد نہیں کہ اصول حب نفس بجائے اس کے کہ ایک فرد واحد میں ساری دوائر ہو ایک جماعت پر اپنا عمل کرتا ہے۔ حیوانات کی تمام نوعیں کم و بیش ضرور متعصب ہوتی ہیں۔ اور اگر انھیں اپنی انفرادی یا اجتماعی ہستی برقرار رکھنی ہے تو ضرور ہے کہ ان میں عصبیت موجود ہو۔ اقوامِ عالم پر نظر ڈالئے۔ ایک قوم بھی ایسی نہ ہوگی جو پیرایۂ عصبیت سے عاری ہو۔ کسی فرانسیسی کے مذہب پر نکتہ چینی کیجئے وہ بہت کم متاثر ہوگا۔ اس لئے کہ آپ کی نکتہ چینی نے اس اصول کو مس نہیں کیا جو اس کی قومیت کی روح رواں ہے۔ لیکن ذرا اس کے تمدن، اس کے ملک یا پولیٹکل سرگرمیوں کے کسی شعبہ کے متعلق اس کی قوم کے مجموعی طرزِ عمل یا اشعار پر تو خورد گیری کر دیکھئے، پھر اس کے جبلی عصبیت کا شعلہ بھڑک نہ اٹھے تو ہم جانیں۔ بات یہ ہے کہ فرانسیسی کی قومیت کا انحصار اس کے معتقدات مذہبی پر نہیں ہے، بلکہ جغرافیائی حدود یعنی اس کے ملک پر ہے۔ پس جب آپ اس خاص خطۂ زمین پر جسے اس نے اپنے تخیل میں اپنی قومیت کا محل اصول قرار دے رکھا ہے، معترض ہوتے ہیں تو آپ اس کی عصبیت کو واجبی طور پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ لیکن ہماری حالت اس سے مختلف ہے۔ ہماری قومیت ایک شے معہود فی الذہن ہے، موجود فی الخارج نہیں۔ بلحاظ ایک قوم ہونے کے ہم جس مرکز پر آکر جمع ہو سکتے ہیں وہ مظاہر آفرینش کے متعلق ایک خاص قسم کا اشراقی سمجھوتا ہے جو ہم نے آپس میں کر رکھا ہے۔ پس اگر کسی کا ہمارے مذہب کو بُرا کہنا ہماری آتشِ عصبیت کو برافروختہ کرتا ہے تو میری دانست میں یہ برافروختگی اس فرانسیسی کے غصہ سے کچھ کم واجبی نہیں ہے جو اپنے وطن کی برائیاں سن کر بھڑک اٹھتا ہے۔ عصبیت سے صرف قومی پاسداری مراد ہے، دوسری اقوام کو بنگاہ تنفر دیکھنا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ بزمانہ قیام انگلستان جب کبھی مجھے کسی خاص مشرقی رسم یا طرزِ خیال کو کسی انگلش لیڈی یا جنٹلمین کے سامنے بیان کرنے کا اتفاق ہوا تو مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس پر اظہار تعجب نہ کیا گیا ہو، جس سے مجھے رہ رہ کر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے نزدیک ہر غیر انگلش خیال گویا داخل عجائبات قدرت ہے۔ مجھے انگریزی قوم کا یہ وطیرہ نہایت ہی پسند ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ قوم پیرایۂ تخیل سے عاری ہے۔ جس خاک سے شیکسپیئر، شیلے، کیٹس، ٹینی سن، سون برن، پیدا ہوئے ہوں وہ بھلا خیال آفرینیوں اور ذہانت آرائیوں سے کیوں کر معرا ہو سکتی ہے۔ البتہ یہ بات ہمیں ماننی پڑتی ہے کہ انگلستان کا طریقہ ماندو اور طرزِ غور و فکر وہاں کے آئین و قوانین اور اس کے رسم و رواج اس ملک کے رہنے والوں کی زندگی کے اجزائے لاینفک بن گئے ہیں۔

غرض مذہبی خیالی بلا اس دینی اکتناز کے جو افراد کی آزادی میں غیر ضروری طور پر خلل انداز ہو، اسلامی جماعت کی ہیئت ترکیبی کا

مدار علیہ ہے۔ اگسٹس کونٹ کا قول ہے کہ "چونکہ مذہب ہماری کل ہستی پر حاوی ہے، لہٰذا اس کی تاریخ ہماری نشوونما کی پوری تاریخ کا خلاصہ ہونی چاہیئے"۔ یہ قول جیسا ہماری قوم پر صادق آتا ہے ویسا کسی اور قوم پر نہیں آتا۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر اسلامی جماعت کی ہیئت ترکیبی کا انتہائی مدار علیہ محض وہ چند معتقدات ہیں جن کی نوعیت مابعد الطبیعی ہے تو کیا یہ بنیاد نہایت ہی متزلزل نہیں ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ علوم جدیدہ تیز یا ترقی کر رہے ہیں اور ہر بات کے حسن و قبح کو پرکھنا اور معقولات اور منطقی استدلال سے قدم قدم پر کام لینا ان علوم کا لازمہ قرار دیا گیا ہے۔ مشہور فرانسیسی مستشرق رینان کا یہی خیال تھا اور دبے الفاظ میں اس نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ اسلام ایک دن دنیا کے ایک بڑے حصے کی عقلی اور اخلاقی پیشوائی کے منصب اعلیٰ سے گر جائیگا۔ جن اقوام کی اجتماعی زندگی کا اصل اصول حدود ارضی سے وابستہ ہو انھیں معقولات سے خائف نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن ہمارے حق میں یہ ایک خطرناک دشمن ہے، اس لئے کہ یہ اسی اصول کو مٹانا چاہتا ہے جس پر ہماری قومی ہستی مبنی ہے اور جس نے ہمارے اجتماعی وجود کو قابل فہم بنا رکھا ہے۔ تعقل دراصل تجزیہ ہے اور اسی لئے معقولات سے اس قومی شیرازہ کے بکھر جانے کا اندیشہ ہے جو مذہبی قوت کا باندھا ہوا ہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ہم معقولات کا توڑ عقلی حربوں سے کر سکتے ہیں لیکن میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اعتقادی ہمہ گیر وفاق کا وہ نکتہ، جس پر ہماری جماعت کی وحدت منحصر ہے، ہمارے لئے اپنے مفہوم کے لحاظ سے عقلی نہیں بلکہ قومی ہے۔ مذہب کو نظری فلسفہ بنانے کی کوشش کرنا میری رائے میں بے سود بلکہ لغو و مہمل ہے۔ اس لئے کہ مذہب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان بیٹھا ہوا زندگی کی حقیقت پر غور کیا کرے، بلکہ اس کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ زندگی کی سطح کو بتدریج بلند کرنے کیلئے ایک مربوط و متناسب عمرانی نظام قائم کیا جائے۔ مذہب سیرتِ انسانی کا ایک نیا اسلوب یا نمونہ پیدا کر کے اس شخص کے اثر کے لحاظ سے جو اس سیرت کا مظہر ہے اس نمونہ کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اور اس طور پر چونکہ وہ ایک نئی دنیا کو نیست سے ہست کرتا ہے، لہٰذا اس پر مابعد الطبیعات کا اطلاق ہوتا ہے۔ میری مراد ان تمام باتوں سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت ہمارے لئے یہی نہیں کہ وہ ایک مذہب ہے، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام میں قومیت کا مفہوم خصوصیات کے ساتھ چھپا ہوا ہے اور ہماری قومی زندگی کا تصور اس وقت تک ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا جب تک کہ ہم اصول اسلام سے پوری طرح باخبر نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نسبت انگلستان کو انگریزوں اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے۔ جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں خدا کی رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹی اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا۔

(ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر)

اسلام رنگ و نسل و جغرافیہ سے بلند ہو کر انسانیت کو دعوت دیتا ہے

(۱) اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے، نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس

اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دراصل اسلام بلکہ کائناتِ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوعِ انسانی سے محبت رکھتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدود ملک پر ہے دنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے۔ اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے میں ایک مسلمان اور ہمدرد نوع کی حیثیت سے انھیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشوونما ارتقا ہے۔ نسل اور حدود ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیاتِ اجتماعی کی ترقی اور تربیت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔ اگر اسے یہی حیثیت دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں اس چیز کا مخالف ہوں کہ اسے انسانی قوتِ عمل کا مظہرِ اتم سمجھ لیا جائے۔

یہ درست ہے کہ مجھے اسلام سے بے حد محبت ہے۔ لیکن مسٹر ڈکنسن کا یہ خیال صحیح نہیں کہ میں نے محض اس محبت کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اپنا مخاطب ٹھہرایا ہے۔ بلکہ دراصل علمی حیثیت سے میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ایک خاص جماعت یعنی مسلمانوں کو اپنا مخاطب قرار دیا جائے۔ کیونکہ تنہا یہی جماعت میرے مقاصد کے لئے موزوں واقع ہوئی ہے۔ مسٹر ڈکنسن کا یہ خیال بھی تسامح سے خالی نہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روح کسی خاص گروہ سے مختص ہے۔ اسلام تو کائناتِ انسانیت کے اتحادِ عمومی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کر لیتا ہے اور کہتا ہے: تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم

(ڈاکٹر نکلسن کے نام مکتوب ـــــ متعلقہ "فلسفہ سخت کوشی")

(۲)

اسلام کے مذکورہ بالا دعوے پر عقلی دلائل کے علاوہ تجربہ بھی شاہد ہے۔ اول یہ کہ اگر عالمِ بشریت کا مقصد، اقوامِ انسانی کا امن سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عام بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں "دین" قومی تھا جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار پایا، جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف سٹیٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی، نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصۃً انسانی ہے۔ اور اس کا مقصد، باوجود تمام فطری امتیازات کے، عالمِ بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پر بنا نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جا سکتا ہے۔ صرف

یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے، جو ایک امت کی تشکیل اور اس کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومی نے

ہم دلی از ہم زبانی بہتر است!

اس سے علیحدہ رہ کر جو اور راہ اختیار کی جائے وہ راہ لادینی کی ہوگی اور شرف انسانیت کے خلاف ہوگی۔ چنانچہ یورپ کا تجربہ دنیا کے سامنے ہے۔ جب یورپ کی دینی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور یورپ کی اقوام علیحدہ علیحدہ ہوگئیں تو ان کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس کیا قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ مسیحیت ایسا اساس نہ بن سکتی تھی۔ انھوں نے یہ اساس وطن کے تصور میں تلاش کی۔ کیا انجام ہوا اور ہو رہا ہے ان کے اساسِ انتخاب کا؟ لوتھر کی اصلاح، غیر سلیم عقلیت کا دور، اصولِ دین کا سٹیٹ کے اصولوں سے افتراق بلکہ جنگ، یہ تمام قوتیں یورپ کو دھکیل کر کس طرف لے گئیں؟ لادینی، دہریت اور اقتصادی جنگوں کی طرف!

(حسین احمد مدنی کے جواب میں ــ مضمون متعلقہ وطنیت)

(۳)

نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان و السنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے ان کو اُن تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان، مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں، اور اس طرح اس پیکرِ خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیت سے ہم کنار رہتا ہے۔ یہ ہے مقام محمدی، یہ ہے نصب العین ملت اسلامیہ کا۔ اس کی بلندیوں تک پہنچنے تک معلوم نہیں، حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں، مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اقوامِ عالم کی باہمی مغائرت دور کرنے اور باوجود شعوبی، قبائلی، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات کے ان کو ایک رنگ کرنے میں جو کام اسلام نے تیرہ سو سال میں کیا ہے، وہ دیگر ادیان سے تین ہزار سال میں بھی نہیں ہو سکا۔ یقین جانئے کہ دین اسلام ایک پوشیدہ اور غیر محسوس جاتی اور نفسیاتی عمل ہے جو بغیر کسی تبلیغی کوششوں کے بھی عالم انسانی کے فکر و عمل کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے عمل کو حال کے سیاسی مفکرین کی جدت طرازیوں سے مسخ کرنا ظلم عظیم ہے بنی نوعِ انسان پر اور اس نبوت کی ہمہ گیری پر جس کے قلب و ضمیر سے اس کا آغاز ہوا۔ (حسین احمد مدنی کے جواب میں۔ مضمون متعلقہ وطنیت)

عالمگیر پیغام کیلئے بھی ایک سوسائٹی کی ضرورت ہوتی ہے

مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے عالمگیر ہے، لیکن باعتبار اطلاق و انطباق مخصوص و محدود۔ ایک حیثیت سے ان کا ارشاد صحیح ہے۔ انسانیت کا

نصب العین شعرا اور فلسفہ میں عالمگیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن اگر اسے موثر نصب العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطب اولین نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک ایسی مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرہ مخاطبت محدود کر دینگے جو ایک مستقل عقیدہ اور معین راہ عمل رکھتی ہو۔ لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے نزدیک اس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔ (ڈاکٹر نکلسن کے نام مکتوب۔ متعلقہ "فلسفہ سخت کوشی")

میری فارسی نظموں کا مقصود اسلام کی وکالت نہیں بلکہ میری قوت طلب و جستجو صرف اس چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشری نظام تلاش کیا جائے۔ اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک معاشری نظام سے قطع نظر کر لیا جائے جس کا مقصد وحید ذات پات، رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے آثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اور حسن معاملت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گرانمایہ سے محروم ہے اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیض صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (ڈاکٹر نکلسن کے نام مکتوب۔ متعلقہ "فلسفہ سخت کوشی")

احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کیا جائے مجھ کو ان[1] کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ شریعت محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو۔ معاملات کے متعلق خاص طور پر اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کیلئے مدت درکار ہے۔ ہاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے۔ شیخ علی رزاق اور دوسرے علمائے مصر کے مباحث سے مولوی صاحب آگاہ ہوں گے۔ علی ہذا القیاس ترکی میں بھی یہی مسائل زیر غور ہیں۔ اس پر ایک آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے۔ اس میں زیادہ تر زمانہ حال کے مغربی اصول فقہ کو ملحوظ رکھ کے فقہ اسلامی پر بحث کی گئی ہے۔ ترکوں نے جو "چرچ" اور "سٹیٹ" میں امتیاز کر کے ان کو الگ کر دیا ہے، اس کے نتائج نہایت دور رس ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ افتراق اقوام اسلامیہ کے لئے باعث برکت ہوگا یا شقاوت۔ غرضکہ مولوی صاحب یا ان کے رفقاء کو جو کلام الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ میں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ رسالہ "بلاغ" امرتسر کے ہر نمبر میں اور مولوی حشمت علی صاحب کے رسالہ "اشاعۃ القرآن" کے ہر نمبر میں

---

[1] مولانا خواجہ احمد الدین صاحب۔

اسی پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادت انسانی کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو جو قواعد عبادات یا معاملات کے متعلق (بالخصوص موخرالذکر کے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت تک مروج ہیں، ان پر قرآنی نقطہ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے "جورس پروڈنس" یعنی اصول فقہ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں (سوائے ایران و افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظیر ناممکن ہے۔ غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری ناقص رائے میں مذہب اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ (مکتوب بنام صوفی غلام مصطفےٰ تبسم۔ محررہ ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء)

اسلام ایک طرح کی سوشلزم ہے | سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیات کے مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جا بجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی۔ جو روحانیت میرے نزدیک مغضب ہے یعنی افیونی خواص رکھتی ہے، اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم، سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے، جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ مکتوب بنام غلام السیدین۔ محررہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مذہب نجی معاملہ نہیں | سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے۔ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟ اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو

اختیار کرلیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ ہندوستان میں یہ سوال اور بھی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ باعتبار آبادی ہم لوگ اقلیت میں ہیں۔ یہ دعویٰ کہ مذہبی ارادت محض انفرادی اور ذاتی واردات ہیں، اہل مغرب کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یورپ کے نزدیک مسیحیت کا تصور ہی یہی تھا کہ وہ ایک مشرب رہبانیت ہے جس نے دنیائے مادیات سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توجہ عالم روحانیت پر جمالی ہے۔ اس قسم کے عقیدے سے لازماً وہی نتیجہ مترتب ہو سکتا تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واردات مذہب کی حیثیت، جیسا کہ قرآن پاک میں ان کا اظہار ہوا ہے، اس سے قطعاً مختلف ہے۔ یہ محض حیاتی نوع کی واردات نہیں ہیں کہ ان کا تعلق محض صاحب واردات کے اندرون ذات سے ہو لیکن اس کے باہر اس کے گردوپیش کی معاشرت پر ان کا کوئی اثر نہ پڑے۔ برعکس اس کے یہ وہ انفرادی واردات ہیں جن سے بڑے بڑے اجتماعی نظامات کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اولین نتیجہ سے ایک ایسے نظام سیادت کی تاسیس ہوئی جس کے اندر قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی اہمیت کو محض اس لئے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی بنیاد وحی والہام پر ہے۔ لہٰذا اس کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خودداری کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئیگا۔

(خطبۂ صدارت مسلم لیگ ۱۹۳۰ء)

(۲)

یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہو۔ ریاستِ اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر وحجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں، بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزء کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔ (ایضاً)

اسلام اپنے اصولوں میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا، اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلام ہو نامعقول ومردود ہے۔ (بجواب حسین احمد مدنی، متعلقہ قومیت)

(۲)

امت مسلمہ جس دینِ فطرت کی حامل ہے اس کا نام دین قیم ہے۔ دین قیم کے الفاظ میں ایک عجیب وغریب لطیفہ قرآنی مخفی ہے اور وہ یہ کہ صرف دین ہی مقوم ہے اس گروہ کے امور معاشی اور معادی کا، جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے نظام کے سپرد کر دے۔ بالفاظ دیگر یہ قرآن کی رو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم دین اسلام ہی سے تقویم پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلام ہو، نامعقول ومردود ہے۔ (ایضاً)

ملائیت، تصوف، ملوکیت | ۱۔ **ملائیت**:۔ علماء ہمیشہ اسلام کے لئے ایک قوت عظیم کا سرچشمہ رہے ہیں۔ لیکن صدیوں کے مرور کے بعد خاص کر زوال بغداد کے زمانے سے وہ بے حد قدامت پرست بن گئے اور آزادی اجتہاد (یعنی قانونی امور میں آزاد رائے قائم کرنا) کی مخالفت کرنے لگے۔ وہابی تحریک جو انیسویں صدی کے مصلحین اسلام کے لئے حوصلہ افروز تھی، درحقیقت ایک بغاوت تھی علماء کے اسی جمود کے خلاف۔ پس انیسویں صدی کے مصلحین اسلام کا پہلا مقصد یہ تھا کہ عقائد کی جدید تفسیر کی جائے اور بڑھتے ہوئے تجربے کی روشنی میں قانون کی جدید تعبیر کرنے کی آزادی حاصل کی جائے۔

۲۔ **تصوف**:۔ مسلمانوں پر ایک ایسا تصوف مسلط تھا جس نے حقائق سے آنکھیں بند کرلی تھیں، جس نے عوام کی قوت عمل کو ضعیف کر دیا تھا اور ان کو ہر قسم کے توہم میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تصوف اپنے اس اعلیٰ مرتبہ سے جہاں وہ روحانی تعلیم کی ایک قوت رکھتا تھا، نیچے گر کر عوام کی جہالت اور زود اعتقادی سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بن گیا تھا۔ اس نے بتدریج اور غیر محسوس طریقہ پر مسلمانوں کی قوت ارادی کو کمزور اور اس قدر نرم کر دیا تھا کہ مسلمان اسلامی قانون کی سختی سے بچنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ انیسویں صدی کے مصلحین نے اس قسم کے تصوف کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مسلمانوں کو عصر جدید کی روشنی کی طرف دعوت دی۔ یہ نہیں کہ یہ مصلحین مادہ پرست تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اسلام کی روح سے آشنا ہو جائیں جو مادہ سے گریز کرنے کی بجائے اس کی تسخیر کی کوشش کرتی ہے۔

۳۔ **ملوکیت**:۔ مسلمان سلاطین کی نظر اپنے خاندان کے مفاد پر جمی رہتی تھی اور اپنے اس مفاد کی حفاظت کے لئے اپنے ملک کو بیچنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ سید جمال الدین افغانی کا مقصد خاص یہ تھا کہ مسلمانوں کو دنیائے اسلام کے ان حالات کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔ (ختم نبوت۔ بجواب پنڈت جواہر لال نہرو)

پاکستان کی آزادی مسلمانوں کے جمود کو توڑ ڈالیگی | میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

(ایضاً)

اشتراکیت

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل — یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
زانکہ حق در باطلِ او مضمر است — قلبِ او مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را — در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک — جز بتن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس

تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخِ او در دل نہ در آب و گل است

ہم چناں بینی کہ در دورِ فرنگ — بندگی با خواجگی آمد بجنگ
روس را قلب و جگر گردیدہ خوں — از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زد است — تیز نیشے بر رگِ عالم زد است
کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ — لا سلاطیں، لا کلیسا، لا الٰہ
فکرِ او در تندِ بادِ لا بماند — مرکبِ خود را سوئے الا نراند
آیدش روزے کہ از زورِ جنوں — خویش را زیں تند باد آرد بروں
در مقامِ لا نیاساید حیات — سوئے الا می خرامد کائنات
لا و الا سازو برگِ امتاں — نفی بے اثبات مرگِ امتاں
در محبت پختہ کے گردد خلیل — تا نگردد لا سوئے الا دلیل
اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن — نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن
اے کہ می بینی نیرزد با دو جو — از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو

ہر کہ اندر دستِ او شمشیرِ لاست
جملہ موجودات را فرمانرواست

الارض للہ

حق زمیں را جز متاع ما نگفت　　ایں متاع بے بہا مفت است مفت
دہ خدا یا نکتۂ از من پذیر　　رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
صحبتش تا کے تو بود و او نبود　　تو وجود و او نمودِ بے وجود
تو عقابی طائفِ افلاک شو　　بال و پر بکشا و پاک از خاک شو
باطن الارض للہ ظاہر است　　ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
من نگویم درگذر از کاخ و کوے　　دولتِ تست ایں جہانِ رنگ و بو
دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر　　صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر
تیشۂ خود را بکہسارش بزن　　نورے از خود گیر و بر نارش بزن
از طریقِ آذری بیگانہ باش　　برمراد خود جہان نو تراش
دل برنگ و بوے و کاخ و کو مدہ　　دل حریم اوست جز با او مدہ

رزق خود را از زمیں بردن رواست　　ایں متاع بندہ و ملک خداست
بندہ مومن امیں حق مالک است　　غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است
رایت حق از ملوک آمد نگوں　　قریہ ہا از دخل شاں خوار و زبوں
آب و نان ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم کنفسٍ واحدہ

اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست　　مرد ناداں ایں ہمہ ملک خداست
ارض حق را ارض خود دانی بگو　　چیست شرحِ آیۂ لاتفسدوا؟
ابنِ آدم دل بابلیسی نہاد　　من ز ابلیسی ندیدم جز فساد
کس امانت را بکار خود نبرد　　اے خوش آں کو ملک حق با حق سپرد
بردہ چیزے کز آن تو نیست　　داغم از کارے کہ شایانِ تو نیست

گو تو باشی صاحبِ شے می سزد ورنباشی، خود بگو کے می سزد
ملک یزداں را بہ یزداں بازدہ تا زکارِ خویش بکشائی گرہ
زیر گردوں فقر و مسکینی چراست آنچہ از مولا ست می گوئی زماست
بندۂ کز آب و گل بیروں نجست شیشۂ خود را بسنگ خود شکست
اے کہ منزل را نمی دانی زرہ قیمتِ ہر شے زاندازِ نگہ
تا متاعِ تست گوہر گوہر است ورنہ سنگ است از پشیزے کمتر است

نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود
ایں زمین و آسماں دیگر شود

ابلیس کی زبان سے

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں ہے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

ہندوستان میں طلوعِ اسلام کی ایجنسی۔ ہاشمی نیوز ایجنسی فعل صاحب روڈ ناگپور کے پاس ہے۔ لہٰذا ہندوستانی ایجنٹ اور خریدار، ان سے معاملہ طے کریں۔ ناظم ادارہ

ایمان کی بات

کہیں تسکیں ہی مرے شوقِ فراواں کی نہیں
خلد میں بھی وہ فضا کوچۂ جاناں کی نہیں

آہ، مصروف ہیں وہ لوگ چمن بندی میں
جن کو پہچان گل و سنبل و ریحاں کی نہیں

اہلِ باطل کے کسی عیشِ نمایاں پہ نہ جا
کہ خبر ہی تجھے اُن کے غمِ پنہاں کی نہیں

اپنے ہمجنس کے آئین کا پابند بنے
کیا یہ توہین خود آزادیٔ انساں کی نہیں

کی مسلماں نے ترقی جو فرنگی بن کر
وہ فرنگی کی ترقی ہے مسلماں کی نہیں

سروساماں ہے عمل ہی سے عمل ایماں سے
صرف ایماں کی کمی ہے سروساماں کی نہیں

دل میں ہو اور عمل پر اثر انداز نہ ہو
بات ایماں کی یہ ہے بات یہ ایماں کی نہیں

زیست اس طرح بسر کرتے ہیں فرد اور ملت
جیسے کوئی بھی ضرورت انھیں قرآں کی نہیں

اسدؔ ملتانی

مقالاتِ اسلم

حضرت علامہ اسلم جیراجپوری کی وہ نادر و نایاب کتاب جس کے لئے کچھ حضرات کو بڑی بیتابی سے تلاش تھی لیکن نہیں مل رہی تھی۔ ہم نے ہندوستان سے بڑی کاوش کے بعد صرف پانچ نسخے منگوائے ہیں اس سے زیادہ دستیاب ہی نہیں ہو سکے۔ قیمت فی نسخہ چار روپے۔

دیگر نایاب کتب

اشاعت اسلام	۰—۰—۷
اسلام میں غلامی کی حقیقت	۰—۰—۴
اخلاق اور فلسفۂ اخلاق	۰—۸—۷
حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی	۰—۱۲—۸
اسلام کا نظام حیات	۰—۴—۴
تاریخ اسلام	۰—۰—۵
اسلام اور سود	۰—۸—۳
تاریخ اسلام	۰—۱۲—۸
غلامانِ اسلام	۰—۸—۶
نظام تعلیم و تربیت اول	۰—۰—۵
〃 〃 دوم	۰—۰—۵
مسلمانوں کا عروج و زوال	۰—۰—۵
مسلمانوں کا نظام مملکت	۰—۰—۵
اقبال اور قرآن	۰—۰—۵
معراجِ انسانیت	۰—۰—۳۰
نشور متحدہ اقوام	۰—۰—۷
مکالمات ابوالکلام آزاد۔	۰—۱۲—۳

کتاب لمیٹڈ۔ رابسن روڈ۔ کراچی

THE ISLAMIC LITERATURE

AN ILLUSTRATED MONTHLY JOURNAL IN ENGLISH

AIMED TO:

- reflect Islam's ambition to reconquer its lost field of cultural glory
- present the new interpretation of Islam that would fit in with the changed conditions of the world
- analyse the present situation,—unearthing the hidden treasures of Islam's actual past
- be a forum for the scattered sections of the Muslim world to exchange views with one another to feel the reality of Islam's world-wide brotherhood
- carry the message of Islam to remote corners of the world

NON-POLITICAL & NON-SECTARIAN

Contributors from all over the world

SPONSORED
non-commercially by

SHAIKH MUHAMMAD ASHRAF
KASHMIRI BAZAR, LAHORE

Rs. 10 a year; 5/8 for 6 months, specimen copy against -/8 (stamps)

WRITE TO THE SPONSOR

Time commands Business
LIMTON commands Time

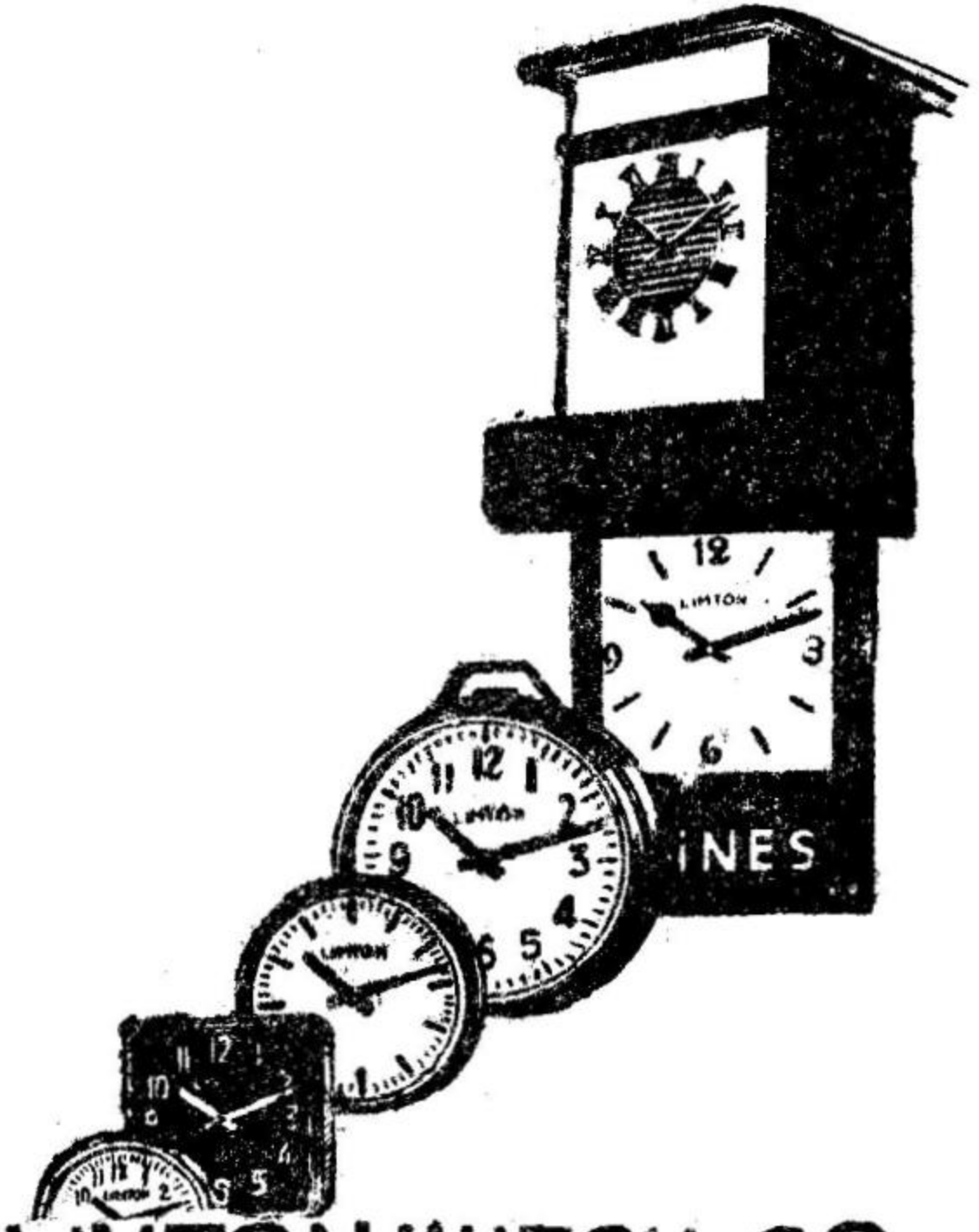

LIMTON WATCH CO

(مطبوعہ ادبی پریس روڈ کراچی طبع شد)